ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور

جلد ۲۵ نمبر

ذوالحجۃ ۱۴۴۰ھ / اگست ۲۰۱۹ء

شمارہ نمبر ۵

سرپرست

حضرت الحاج مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ

مُدیرمسئول

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ ناظم جامعہ ہٰذا

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہٰذا

مُدیرتحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن صاحب مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید صاحب اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد صاحب بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد صاحب سہارنپوری

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۱۵/روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۱۵۰ روپے

بیرونِ ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زرکاپتہ

دفتر ماہنامہ مظاہرِ علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM URDU MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

◯ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

حج سے واپس آنے والوں سے!

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

حج، دین اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن اور بنیادی ستون ہے، مالی و بدنی عبادت کا جامع ہے، اس میں کثیر مال بھی صرف ہوتا ہے اور جسمانی طور پر بھی مخصوص و متعین ارکان و مناسک ادا کئے جاتے ہیں، حج بندگی کا عمدہ نمونہ ہے، خدا کی کبریائی، بندے کی عاجزی، فقر و مسکنت، تذلل، فروتنی، تواضع اور نیازمندی کا مظہر ہے، اظہارِ عشق و محبت کی بہترین مثال ہے، بندے کی خدا سے محبت، تڑپ، بے چینی، بے قراری، اضطراب، جنون، دیوانگی، فدائیت، بیگانگی، کنارہ کشی، وارفتگی اور سوز و دروں کی کامل علامت ہے۔

ایمان وایقان کی طہارت کی وجہ سے خالق ارض وسماوات کی تجلی گاہ کی زیارت کی تڑپ ہر صاحب ایمان کے دل میں ہوتی ہے، ہر سرِ مسلم میں اس کا سودا سمایا رہتا ہے، ذی الحجہ کا مہینہ آتے ہی بقدر ظرف ہر صاحب ایمان کی طبیعت میں انقلاب پیدا ہوجاتا ہے اور خوش نصیب و بخت آور لوگ وہاں پہنچ کر اپنی تشنگی کا سامان مہیا کرتے ہیں، ہر ہر رکن ادا کرتے ہوئے سراپا عجز ومحکومیت اور مملوکیت کی تصویر بن جاتے ہیں، اسلام کی تمام عبادتوں کا مطلوب ومقصود اور خلاصہ ہی بندگان خدا کے اندر عاجزی، انکساری اور محکوم و مملوک ہونے کا مکمل جذبہ پیدا کرنا ہے۔

تمام ارکان حج اسی عجز وانکسار کی منہ بولتی تصویر ہیں، حجاج کرام بن سلے کپڑے پہن کر اپنی احتیاج کو ظاہر کرتے ہیں، ننگے سر رہ کر، کعبہ کا طواف، صفا مروہ کی سعی، اور منی مزدلفہ و عرفات میں قیام یہ سب سراسر انقیاد واطاعت اور خود کو محکوم ومملوک ہونا ہی تو ظاہر کرتے

ہیں، بس اظہار بندگی میں مشتاقان تجلی الٰہی چہاردانگ عالم سے لبیک اللہم لبیک کی پرشوق صدائیں لگاتے ہوئے چلے آرہے ہیں، سب ایک ہی انداز بے خودی لیے ہوئے، ایک ہی لباس میں، کبھی خانہ کعبہ کے گرد چکر لگارہے ہیں، کبھی وفور جذبات میں صفا و مروہ کے پھیرے ہیں، کبھی میزاب رحمت کے نیچے عصیان و خطا کے صدہا احساس کے ساتھ دست بدعا، کبھی آب زمزم کے شیریں گھونٹ سے قلب و روح کی تشنگی بجھارہے ہیں، کبھی مقام ابراہیم پر سجدے گذار رہے ہیں، منی، مزدلفہ اور عرفات میں رب العالمین کی خصوصی رحمتوں سے فیضیاب ہورہے ہیں، کبھی حجر اسود کا استلام کر کے جذبۂ اطاعت کی تسکین کا سامان فراہم کررہے ہیں اور پھر ہر ہر مقام پر وہی نعرۂ بے خودی، وہی ترانہ شوق، وہی نغمۂ محبت لبیک اللہم لبیک، یہی تو حج ہے۔

حج کے لغوی معنی ہیں قصد کرنا اور شرعی اعتبار سے مخصوص ایام میں مخصوص جگہ پر مخصوص عبادت کا ارادہ کرنا، حج ہر صاحب حیثیت کے لیے زندگی میں ایک مرتبہ فرض کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلا ومن کفر فإن اللہ غنی عن العالمین** (آل عمران)

صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں جس کو وہاں تک راہ مل سکے۔ اور جو (استطاعت کے باوجود) نہ مانے تو اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَکَ زَاداً وَرَاحِلَۃً تُبَلِّغُہُ إِلَی بَیْتِ اللّٰہِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْہِ أَنْ یَمُوتَ یَھُودِیًّا أَوْ نَصْرَانِیًّا وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰہَ یَقُولُ فِی کِتَابِہِ (وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَیْہِ سَبِیلًا (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس بیت اللہ تک پہنچنے کے لیے مال تھا اور اس نے حج نہیں کیا اس پر کچھ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی، اس لیے

کہ یہ اللہ نے اپنی کتاب میں کہا ہے۔

جب انسان حج کے لئے سفر کرتا ہے، اعزاء وآقارب، مال ودولت، راحت وسکون سب کچھ اللہ کی محبت میں چھوڑ کر فقط دوسفید چادروں میں لپٹ جاتا ہے، حج انسانی مساوات کی سب سے عمدہ مثال ہے جہاں پر ہر طرح کے رنگ ونسل، ذات و برادری، علاقائی و لسانی امتیازات یکسر ختم ہوجاتے ہیں اور سب کی زبان پر ایک ہی جملہ ہوتا ہے ''اے اللہ ہم حاضر ہیں۔'' نتیجے میں حج انسان کی زندگی میں انقلابی طور پر تبدیلیاں لاتا ہے اور انسان کو روحانی طور پر پاکیزہ بنادیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو معافی کے بہترین انعام سے نوازتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّه (بخاری، کتاب الحج)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا جس نے حج کیا، جھگڑا اور گناہ نہیں کیا وہ ایسے (گناہوں سے پاک) لوٹتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسی دن اس کو جَنا ہو۔

حج سے گزشتہ گناہ تو معاف ہو ہی جاتے ہیں آئندہ کے لئے بھی حج انسانی زندگی میں بہت ساری تبدیلیوں کا تقاضا کرتا ہے، حاجی کے لئے ضروری ہے، جن چیزوں کا مظاہرہ دوران حج کیا انہی چیزوں کو آئندہ زندگی میں شامل رکھے۔

مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ

احتساب کیجئے کہ آپ کا حج کس قسم کا ہے، مالدار بھی سوچیں کہ انہوں نے حقیقی معنوں میں حج کیا ہے یا سیر وتفریح کے طور پر روپیہ پیسہ کے بل بوتے پر ایک لمبا چوڑا سفر کرڈالا ہے، متوسط درجہ کے لوگ بھی غور کریں کہ انہوں نے اس مقدس سفر میں خرید وفروخت اور تجارت کا کام دھندا ہی کیا ہے یا حج ومناسک کو دینی روح کے ساتھ ادا کیا ہے، لکھے

پڑھے اور علماء جماعت کو بھی احتساب کرنا چاہیے کہ انھوں نے اس مبارک موقع پر اپنی عزت وشہرت کے لئے کیا کیا، کیا ہے؟ اور اللہ ورسول کے لئے کیا کیا ہے؟، وہ مفلس وتنگدست جن کے پاس کھانے تک کا ٹھکانہ نہیں تھا مگر وہ حج کے لئے گئے ان کو بھی جائزہ لینا چاہیے کہ انہوں نے اللہ وحدہٗ لاشریک لہ اور اس کے پاک رسول کے دربار میں آتے جاتے کن کن مقامات پر کیسے کیسے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیا ہے۔

آج ہر قسم کی سفری آسانیاں موجود ہیں، آپ جیسے چاہیں حج کر سکتے ہیں مگر دیکھئے کہ حج کے مقدس اجتماع سے آپ کیا لے کر لوٹے ہیں اور آپ نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟

اب سے کئی سو سال پہلے علامہ ابن الحاج اندلسیؒ نے اپنے زمانہ سے پہلے کے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جب وہ کھاتے پیتے اور خوش حال لوگوں کو سفر حج میں دیکھتے تھے تو لوگوں سے کہتے تھے کہ ''لاتقولوا اخرج فلان حاجاً ولکن قولوا اخرج مسافراً'' مالدار کے بارے میں یہ نہ کہو کہ وہ حج کے لئے نکلا ہے بلکہ یہ کہو کہ مسافر بن کر نکلا ہے''۔ (حج کے بعد، قاضی اطہر مبارکپوریؒ ص۔۲۲)

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا ارشاد ہے کہ ''حجر اسود کسوٹی ہے، اس کے چھونے سے انسان کی اصل حالت ظاہر ہوجاتی ہے، اگر واقعی فطرۃً صالح (اور نیک) ہے تو حج کے بعد اعمال صالحہ کا اس پر غلبہ ہوگا اور اگر فطرۃً (نالائق اور) طالع ہے محض تصنع (اور بناوٹ) سے نیک بنا ہوا ہے تو حج کے بعد اس پر اعمال سیئہ (برے اعمال) کا غلبہ ہوگا''۔

حضرت تھانویؒ نے اس ملفوظ کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ ''حاجی زمانۂ حج میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اصلاح حال کی خوب دعا کرے، دل سے اعمال صالحہ کے شوق کی دعا کرے اور حج کے بعد اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کرے'' (اصلاح ظاہر ۱۶۱/۲۸)

درسِ قرآن

دین کی اشاعت کے لئے وقف کیجئے!

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاد حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (آل عمران: ۳۵)

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی منت مانی ہے، تو تو میری طرف سے قبول فرما، یقینا تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے۔

تشریح وتوضیح: بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ اللہ کے کچھ نیک بندے اپنی اولاد میں سے لڑکوں کو اللہ کے نام پر وقف وآزاد کرتے کہ یہ اب نہ تو کاروبار کرے گا، نہ گھر بنائے گا، نہ شادی بیاہ کرے گا، بیوی بچوں کی تمام تر ذمہ داری سے آزاد رہے گا، صرف اور صرف خدا کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لئے مخصوص ہوگا۔

اللہ کے نام پر آزاد کردہ ان بچوں کو وہ محرَّر کہتے تھے، بالغ ہونے تک ان بچوں کے لئے اپنے والدین کی نذر کو پورا کرنا اور بیت المقدس کی خدمت کے لئے خود کو وقف رکھنا لازم اور ضروری تھا، اور گویا والدین کی فرماں برداری کی صورتوں میں سے یہ ایک قوی صورت تھی، اور بچہ جب بلوغ کو پہونچتا تو اس کو کلیسا میں رہنے نہ رہنے کا اختیار دیا جاتا، وَلَا يَبْرَحُهَا حَتّٰى يَبْلُغَ الْعِلْمَ ثُمَّ يُخَيَّرُ ۔

بنی اسرائیل ہی کے ایک صالح آدمی حضرت عمران کی بیوی حنَّہ بنت فاقود بوڑھی ہو چکی تھیں اور ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھیں، ایک دن ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہی تھیں کہ اسی دوران ایک ایسا پرندہ دیکھا جو اپنے بچّہ کو ''چوگا'' (دانہ کھلا رہا تھا) دے

رہا تھا، (بَصَرَتْ طَائِراً يَزُقُّ فَرْخاً لَهٗ)فطری طور پر عورت میں ماں بننے کی موجود خواہش، حنّہ میں بھی بیدار ہوئی، عرض کرنے لگی: اے اللہ! اگر آپ مجھے بچّہ عطا فرمادیں تو میں اس کو آپ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کردوں گی (إنْ رَزَقْتَنِي وَلَداً أتَصَدَّق بِهٖ عَلٰی بَيْتِ المَقْدِسِ) اللہ نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور حنّہ کو حمل رہ گیا، دورانِ حمل حنّہ بنت فاقود نے اس زمانے کے دستور کے موافق اپنی نذر پوری کرنے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: خداوندا! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے اس کو آپ کے نام پر آزاد کرنے کی منّت مان لی ہے، وہ خانۂ خدا کی خدمت کے لئے فارغ رہے گا اور میں اس کو کسی کام میں نہیں لگاؤں گی، آپ بعدِ ولادت اس کو قبول فرمالیجئے، اصلا آپ ہی سننے والے ہیں میری درخواست بھی سن رہے ہیں اور میری نیت سے بھی واقف ہیں، زوجۂ عمران کی اسی منت اور نذر کو قرآن حکیم نے اپنے بلیغ انداز مذکورہ بالا آیت میں بیان فرمایا ہے۔

پیغام: اولاد کو خدا کی نذر اور وقف کرنے کا مذکورہ طریقہ تو شریعت محمدیہ میں نہیں ہے، البتہ یہ مستحسن ہے کہ والدین اپنی اولاد کے متعلق یہ نیت کرلیں کہ ہم اس کو خدا کے لئے اور اس کے دین کی خدمت کے لئے وقف کرتے ہیں، یہ خود علم دین حاصل کرے گا اور زندگی بھر اسی کی نشر واشاعت اور تعلیم وتعلم میں مشغول ومنہمک رہے گا، اللہ کی رضاجوئی اور عبادت اس کا مقصد ہوگا، ساتھ ساتھ اس کو معاشی مشغلہ اختیار کرنے اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کی بھی پوری پوری اجازت ہوگی، بلکہ ترغیب بھی، لیکن اس کا مقصدِ زیست اور اصل کام بس دین کی خدمت ہوگی۔

دکان، مکان، زمین، جائداد، اراضی اور باغات، مال واسباب اللہ کے نام پر وقف کرنے والے تو بہت مل جائیں گے بالخصوص متدین مالدار طبقہ مگر اللہ کے نام پر اولاد کو وقف کرنے والوں کی تعداد، وہ تو بس انگلیوں پر ہی گنی جاسکتی ہے، ضرورت ہے کہ والدین کم از کم ایک ایک لڑکے کو تو اللہ کے نام وقف کرہی دیں۔

اور بقول قاضی ابویعلی، یہ تو ہر شخص نیت کرے کہ وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ اور قرآن سکھا کر اور صحیح تربیت کر کے اللہ کی عبادت اور اطاعت کے قابل بنائے گا (أن یُنَشِّئَ وَلَدَہٗ الصَغِیرَ عَلٰی عِبادَۃِاللہِ وَ طَاعَتِہٖ و أنْ یُعَلِّمَہٗ القرآنَ (زادالمسیر ۱/۳۲۱)

امام قرطبی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں اسی مناسبت سے ایک واقعہ تحریر کیا ہے: کہ ایک نیک طینت آدمی نے اپنی والدہ سے عرض کیا: کہ آپ مجھے اللہ کے لئے چھوڑ دیجئے کہ میں علم حاصل کروں اور اس کی عبادت کروں، ماں نے بیٹے کی یہ درخواست بخوشی منظور کرلی، وہ چلے گئے، خوب خوب علم حاصل کیا، ایک عرصہ بعد گھر واپس لوٹے، دروازہ کھٹ کھٹایا، اندر سے پوچھا گیا: کون؟ کہا: آپ کا فلاں بیٹا! ماں نے جواب دیا: میں آپ کو اللہ کے لئے وقف کرچکی ہوں، واپسی کا سوال ہی نہیں۔

یا أُمَّہْ! ذَرِیْنِي لِلّٰہِ أتَعَبَّدُ لَہٗ وَ أتَعَلَّمُ العِلْمَ فقَالَتْ نَعَم. فَسارَ حتّٰی تبَصَّرَ ثُمَّ عادَ اِلَیْھا فقَالَتْ مَنْ؟ فقَال لَھا: اِبنُکِ فلانٌ، تَرَکْناکَ لِلّٰہِ فَلاَ نعُو دُفِیْکَ (القرطبی ۴/۶۶)

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی اولاد سے معاشی توقعات وابستہ نہیں کیں، ان کی تو تمام تر خوشی اس میں تھی کہ ان کی اولاد اللہ کی راہ میں سرگرم رہے اور علم دین حاصل کرے۔

تذکرۃ الاولیا صفحہ ۱۱۳ پر حضرت بایزید بسطامی کی والدہ کا بھی یہ قول مسطور ہے: کہ میں اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں اور ایسا ہی ہوا کہ تمام زندگی آپ نے تحصیل علم و تبلیغ دین کے لئے وقف کردیں۔

والدین اور حضرات سرپرستان بشریت کی بنا پر اگر نیت خالص نہ رکھ سکے اور مذکورہ نیت کے ساتھ، اولاد کو علم دین کے حصول میں نہ لگا سکے تو تعلیم و تعلم، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ سے وابستہ افراد خود ہی اللہ کے لئے مرنے جینے کی نیت کرلیں، مَحْیَایَ وَ مَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِیْن کا مصداق بنیں اور اپنی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز اسی ذات سعید کو بنا کر خود کو محو رخیال فرمائیں اور بزبان حال یوں گویا ہوں ۔

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی	میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

انوارِ حدیث

قرآن کریم کا تعارف

خود صاحبِ قرآن کی زبانی

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

عن علی قال:انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:ألا إنھا ستکون فتنۃ،قلت:ما المخرج منھا یا رسول اللہ؟قال: کتاب اللہ،فیہ نبأ ما قبلکم و خبر ما بعد کم و حکم ما بینکم، ھو الفصل لیس بالھزل، من ترکہ من جبار قصمہ اللہ،و من ابتغی الھدی فی غیرہ أضلّہ اللہ،وھو حبل اللہ المتین و الذکر الحکیم و الصراط المستقیم ، ھو الذی لا یزیغ بہ الأھواء و لا تلتبس بہ الالسنۃ و لا یشبع بہ العلماء ،و لا یخلق عن کثرۃ الرد،و لا ینقضی عجائبہ ،ھو الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتی قالوا:انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد فأمنا بہ،من قال بہ صدق و من عمل بہ أجر ،و من حکم بہ عدل،و من دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم (ترمذی ۲/۱۱۸)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: عنقریب فتنہ وفساد ہوگا،اس پر میں نے کہا: یارسول اللہ! اس سے بچنے کا راستہ کیا ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ: (اس سے بچنے کا راستے اللہ کی کتاب ہے) جس میں پچھلے زمانہ کی خبریں ہیں،آئندہ زمانے کے احوال ہیں، اورموجودہ زمانے کے فیصلے اورضابطے ہیں،اس کی باتیں فصلہ کن ہیں، مذاق نہیں ہیں، جوتکبر واکڑ کی بنیاد پراس کو پس پشت ڈالے گا، اللہ تعالی اسکو پیس کررکھ دےگا اور جواس کےعلاوہ ہدایت تلاش کرےگا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کردیگا، اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی مضبوط رسی ہے، اور پُرحکمت ذکر ہے، اورسیدھا راستہ ہے،

یہ وہ کتاب ہے جس کو لوگوں کی خواہشات بدل نہیں سکتیں، اور جس میں زبانوں کو اشتباہ نہیں ہوتا ہے، اور جس سے علماء کبھی سیر نہیں ہوں گے، اور جو بار بار پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا، اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے، یہی وہ قرآن ہے جس کو جب جنات نے سنا تو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے کہ: ہم نے عجیب قرآن سنا ہے، جو ہدایت کی جانب رہنمائی کرتا ہے، پس ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، جو اس کی بات کہے گا سچ کہے گا اور جو اس پر عمل کریگا اجر پائے گا، جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ انصاف کرے گا، اور جو اس کی دعوت دے گا وہ صراط مستقیم سے سرفراز ہوگا۔

تشریح و تفہیم: ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ زمانہ میں فتنے وفسادات کے ظہور پذیر ہونے کی خبر دی، حضرت علیؓ بھی اس موقع پر تشریف فرما تھے، انہوں نے برجستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فتنوں اور فسادات سے حفاظت و بچاؤ کی تدابیر کی بارے میں سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً مختصراً جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: کتاب اللہ، یعنی اللہ کی کتاب پر عمل پیرا ہو کر تم ان فتنوں اور فسادات کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ رہ سکتے ہو، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو ایک گونہ مدلل کرتے ہوئے قرآن کریم کا تعارف کروایا اور اس کی خوبیوں اور خصوصیات کو واضح فرمایا، ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ قرآن کریم کا وہ تعارف اور خصوصیات پیش ہیں، یہ قرآن کریم کا خود صاحب قرآن کی زبانی تعارف ہے، جس سے بڑھ کر قرآن کریم کا کوئی تعارف نہیں ہوسکتا۔

فيه نبأ ماقبلكم:۔ قرآن کریم میں گزشتہ زمانہ کی تاریخ اور پچھلی قوموں کے احوال بیان فرمائے گئے ہیں، اور اس حوالہ سے ان حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے جن کو اس علیم وخبیر ذات کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، تخلیق آدمؑ کا قصہ اس کی مثال ہے، اس واقعہ سے دنیا اور نسل انسان کے آغاز کی تاریخ معلوم ہوتی ہے، جس میں سائنس دانوں نے ٹھوکریں کھائیں ہیں اور انہوں نے انسان کو بندر کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا، جو عقل وخرد سے بھی دور ہے۔

قرآن کریم میں جن گزشتہ انبیا کرام کا اجمالاً یا نسبتۃً تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے ان کی تعداد

ستائیس (۲۷) ہے، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت آدمؑ، حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت ہودؑ، حضرت صالح، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یوشعؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت یونسؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت الیسع، حضرت شمویلؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ذوالکفلؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام۔

اوران کے علاوہ جن افراد واقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں: اصحاب الجنۃ، اصحاب القریۃ، حضرت لقمان، اصحاب السبت، اصحاب الرأس، حضرت ذوالقرنین، اصحاب الکہف والرقیم، قوم سبا، اصحاب الاخدود، اصحاب الفیل۔ (علوم القرآن از مفتی تقی عثمانی ص: ۳۱۵)

ان انبیا اور رسل اور اقوام اور ملل کے تذکرہ سے دنیا کی تاریخ بھی معلوم ہوجاتی ہے اور پند و نصیحت اور عبرت وموعظت بھی حاصل ہوتی ہے، جوکہ تاریخ کے حفظ وضبط سے اصل مقصود ہے۔

وخبر ما بعدکم: قرآن کریم میں آئندہ پیش آنے والے واقعات اور حالات ذکر کئے گئے ہیں، چنانچہ قیامت کی نشانیاں، قبر کے حالات، حشر ونشر کے منظر، دوزخ کی ہولناکیاں اور جنت کی دل فریبیاں بیان کی گئی ہیں، اسی طرح قیامت سے پہلے ایک جانور کا نمودار ہونا، یاجوج ماجوج کا خروج، صور اسرافیل، اور جہنمیوں کے مکالمے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر موجود ہیں، یہ وہ باتیں ہیں جو کسی شخص کی تحریر وکتاب یا کسی کورس یا نصاب میں درج نہیں، انسانوں کو ان کا علم صرف قرآن کریم کے ذریعہ ہوسکا ہے۔

وحکم ما بینکم: قرآن کریم میں لوگوں کی زندگی سے متعلق ہدایات واحکامات موجود ہیں پیدائش سے لیکر موت تک زندگی کا کوئی شعبہ ومرحلہ ایسا نہیں جس کا حکم اور طریقہ قرآن وسنت نے واضح نہ کردیا ہو، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے اس کا ایک مخصوص دائرہ ہے اور وہ زندگی کے محض ایک حصہ سے اور بسا اوقات ایسے حصہ سے متعلق ہوتا ہے جس سے عام انسانوں کو کوئی واسطہ بھی پیش نہیں آتا، جبکہ قرآن کریم نے انسانوں کی روزمرہ اور جیتی جاگتی زندگی کے بارے میں ہدایات دی ہیں اور اس جامعیت کیساتھ دی ہیں کہ بیت الخلاء کی سیٹ

سے لے کر اقتدار کی کرسی تک اور گھریلو زندگی سے لے کر بازاری سرگرمیوں تک کسی بھی پہلو اور حصہ کو تشنہ نہیں چھوڑا، یہ قرآن کہ وہ خصوصیت ہے جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

هو الفصل ليس بالهزل: قرآن کریم نے جو کچھ بیان کیا ہے، خواہ ہ ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے یا انسانوں کے موجودہ احوال سے، وہ سب مبنی بر حقیقت ہے، اسمیں جھوٹ یا مذاق کا شائبہ نہیں، چنانچہ قرآن کریم نے جو ماضی کے واقعات بیان کئے ہیں ان کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، آئندہ کے بارے میں جو بتلایا گیا ہے وہ بھی یقینا ہو کر رہے گا، بالکل اسی طرح جیسے قرآن کریم کی پیشین گوئیاں اپنے اپنے وقت پر پوری ہوئیں، اسی طرح قرآن کریم نے اس کائنات سے متعلق جو امور بیان کئے ہیں، سائنس اس کیخلاف کچھ ثابت نہیں کرسکا، اور لوگوں کی زندگی کے متعلق جو ہدایات وتعلیمات دی گئی ہیں ان سے بہتر طریقہ وقانون انسان کی عقل پیش نہیں کرسکی اور نہ کرسکے گی۔

آج طلاق کے حوالے سے ملک عزیز میں جو اسلامی قوانین کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ صرف ٹی وی کی اسکرین اور اخبارات کے صفحات تک محدود ہے، بات تو جب ہے کہ اس سے بہتر یا کم ازکم اس کے ہم سر کوئی معقول اور قابل قبول قانون وضع کیا جائے۔

من تركه من جبار قصمه الله: جو اس قران کریم کو تکبر کی بنیاد پر نظر انداز کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو پیس کر رکھ دے گا، ماضی میں روم، فارس کی عظیم طاقتوں کا جو حشر ہوا، وہ اس کی مثال ہے، یہ وہ حکومتیں تھیں جو اس وقت سپر پاور سمجھی جاتی تھیں اور جن کی حکومتوں میں سورج نہیں ڈوبتا تھا، لیکن جب قرآن کریم کے پیغام کو انہوں نے ٹھکرایا، اللہ تعالی نے ان کا نام ونشان مٹادیا، ان کے علاوہ جن حکمرانوں نے بھی قرآن کی دعوت کو قبول نہیں کیا انہیں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی اور اسلام دنیا کے بیشتر حصوں پر غالب آیا، اور آئندہ بھی ایسا ہوگا۔ (باقی آئندہ ان شاء اللہ)

مسلمانوں کی ترقی کے اہم اور بنیادی اَسباب

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

موجودہ حالات میں مسلمانوں کے بہت سے حساس قسم کے داخلی اور خارجی مسائل کو لے کر پورے عالم اسلام میں، بالخصوص ہمارے ملک میں جو اِضطراب، بے چینی؛ بلکہ کسی حد تک بے بسی، مایوسی، اور احساسِ کمتری کی کیفیت پائی جاتی ہے، اُس کے علاج اور سدّ باب کے لیے مختلف مشورے، اور طرح طرح کی کوششیں سامنے آتی رہتی ہیں، جن میں سے بعض کے کچھ نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔

یہاں یہ بات نہایت ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے، سمجھنے اور غور کرنے کی ہے کہ:

اِجتماعی طور پر مسلمانوں (خاص طور پر اہل السنۃ والجماعۃ) کو درپیش اِن حالات کا سامنا کیا وطنیت، علاقائیت، قومیت، حکومت وسلطنت، کاروباری مفادات، دہشت گردی وغیرہ کی بنا پر ہے؟ یا اِن کا منشا کچھ اور ہے؟

اگر وطنیت وعلاقائیت کی وجہ سے اِن حالات کا سامنا ہے تو پھر اُن ممالک میں کیوں یہ مشکلات ہیں جو ہمیشہ سے مسلمانوں کا وطن اور ان ہی کا علاقہ ہیں؟ بلکہ جہاں اُن کی اپنی حکومتیں بھی ہیں؟

اگر صرف قومیت بنیاد ہے تو ''قومِ مسلم'' ہی کی طرف منسوب اُن فرقوں اور جماعتوں پر یہ ''نظریں'' کیوں نہیں ہیں جو اِسلام کے معہود ومتوارث تصور کو بدلنے کی عالمی مہم اور کوششوں کا حصہ بنی ہوئی ہیں؟

اگر حکومت وسلطنت کا مسئلہ ہے تو صرف مخصوص طرز کی مسلم حکومتوں ہی سے یہ کشمکش کیوں؟ دنیا میں اور بھی مذاہب ہیں، اور مذہبی بنیادوں پر اُن کی حکومتیں بھی ہیں، اُن سے یہ عداوت اور دشمنی کا اظہار کیوں نہیں؟

اگر کاروباری مفادات کا مسئلہ ہے تو کون سا مسلمان فرد، یا مسلمان حکومت کسی کے کاروبار میں مخل ہوتی ہے؟ بلکہ اگر تجزیہ کیا جائے تو شاید عالمی تجارت میں مسلمان ملکوں ہی کے قدرتی ذخائر اور وسائل کی سب سے بڑی شرکت اور تعاون ہے۔

اگر مسئلہ دہشت گردی اور شدت پسندی کا ہے تو اِس کا معیار کیا ہے؟ دوسروں کے اندرونی مسائل میں دخل دینا، پھر ملک پر ہی قبضہ کرلینا؛ یہ دہشت گردی کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں؟ پھر اِس دخل اندازی کے لیے دوہرا معیار اپنانا، کہ اگر ظالم حکمراں غیر مسلم ہو، یا طاقتور ممالک کا حلیف سمجھا جاتا ہو تو مسئلے کو آخری حد تک نظر انداز کرتے رہنا، اور اگر مسلم ہو تو فرضی مقدمات قائم کر کے بھی اُس کا مؤاخذہ کرلینا، یہ سب دہشت گردی سے متعلق عالمی ضابطۂ اخلاق کے اور انسانیت نوازی کے کس اصول کے تحت آتا ہے؟!

یہ عجیب وغریب صورتِ حال ہے کہ مسلمان ہی دہشت گرد بھی ہیں! پھر اُن کی دہشت کا نشانہ بھی مسلمان ہی بن رہے ہیں!! اور پھر اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر مداخلت کرنے والے بھی مسلمانوں ہی پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں!! عراق، افغان، فلسطین، شام، چین، برما وغیرہ میں اِس کھلے ہوئے دجل وفریب کا ایک طویل سلسلہ عرصہ سے جاری ہے، اور ''انسانیت'' ہے کہ خاموش ہے!!۔

اصل بات یہ ہے کہ عداوت ودشمنی کے یہ حالات مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ہیں ہی نہیں، بلکہ اِن سب کا منشا:

۱۔ مسلمانوں کا عقیدۂ توحید ہے، جو تمام دجالی اسباب، اور طاغوتی قوتوں کے اِنکار کو مستلزم ہے: {**قد تبين الرشد من الغي، فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها، والله سميع عليم**} [البقرة:۲۵۶] (ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے، تو اب جو شخص طاغوت کا اِنکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اُس نے یقیناً ایسا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو چھوٹ نہیں سکتا، اور اللہ تعالیٰ ہمہ وقت سننے والے، اور ہر بات جاننے والے ہیں)۔

۲ــ مسلمانوں کا عقیدۂ ختمِ نبوت اور رسالتِ محمدی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا اقرار ہے، جو اللہ کے ہاں تقرب اور آخرت کی نجات کے لیے، اسلام کے علاوہ دیگر تمام تہذیبوں سے، اور گذشتہ، موجودہ اور آئندہ تمام شریعتوں سے صاف صاف دست برداری کا مطالبہ کرتا ہے: {**ثم جعلناک علی شریعة من الأمر فاتبعها، ولا تتبع أهواء الذین لا یعلمون**} [الجاثیة :۱۸] (پھر ہم نے آپ کو ایک خاص شریعت پر رکھا ہے تو آپ بس اسی کا اتباع کیجیے، اور نادانوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے)۔

اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے: {**إن الدین عند اللہ الإسلام**} [آل عمران :۱۹] (اللہ کے نزدیک معتبر دِین تو بس اِسلام ہے)، اور یہ وضاحت بھی ہے کہ: {**ومن یبتغ غیر الإسلام دیناً فلن یقبل منه**} [آل عمران:۸۵] (جو اِسلام کے علاوہ کوئی اور دِین اِختیار کرے گا تو اُس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا)، حدیث شریف میں ہے کہ کوئی معمولی عمل بھی اگر شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہوا تو وہ اللہ کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہ ہوگا: "**من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فهو ردٌّ**" [مسلم :۱۷۱۸]۔

۳ــ مسلمانوں کا عقیدۂ اِیمان بالغیب اور آخرت بھی، اُن کے تئیں پائے جانے والے بغض وعداوت کی اہم بنیادوں میں سے ہے، جو سائنس اور مادیت کے اِس دور میں روحانیت وتوکل کی اہمیت کا، اور اسباب وتدابیر کی بے مائیگی اور بے ثباتی کا درس دیتا ہے، قرآن کریم صاف کہتا ہے: {**لا یغرنک تقلّب الذین کفروا في البلاد، متاع قلیل، ثم مأواهم جهنم**} [آل عمران:۱۹۶] (آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالدے کافروں کا ملکوں میں دندناتے پھرنا، یہ تو بس تھوڑا سا مزا ہے، پھر اِن کا ٹھکانہ جہنم ہے)۔

{**والذین کفروا یتمتعون ویأکلون کما تأکل الأنعام، والنار مثوی لهم**} [سورۃ محمد :۱۲] (اور جنھوں نے کفر اَپنا لیا ہے وہ (دنیا میں) مزے اُڑاتے ہیں اور اِس طرح کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں، مگر آئندہ اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے)۔

ایک دوسری جگہ تو یہ مضمون خوب ہی واضح کردیا گیا ہے: {ولو لا أن يكون الناس أمةً واحدةً لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفاً من فضة ومعارج عليها يظهرون، ولبيوتهم أبواباً وسرراً عليها يتكئون، وزخرفاً، وإن كل ذلك لما متاع الحيوٰة الدنيا، والآخرة عند ربك للمتقين} [الزخرف:۳۳-۳۵] (اور اگر اِس کا خیال نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقہ کے (کافر اور دنیا کے طالب) ہوجائیں گے تو ہم کافروں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے، اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں، اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت (ومسہریاں) بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کی بھی (کردیتے)، اور حقیقت میں یہ سب چیزیں (مختصرسی) دنیوی زندگی کا (بے وقعت سا) سامان ہیں، اور آخرت (جہاں کی ہر چیز دائمی ہے) آپ کے رب کے نزدیک تقوی والوں کے خاص ہے)۔

یعنی اللہ کے یہاں اِس دنیوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں، نہ اس کا دِیا جانا اللہ کے یہاں قرب ووجاہت، یا ترقی ومقبولیت کی کوئی دلیل ہے، اور نہ اُس کا نہ دیا جانا ذلت ونِکبت، یا پستی ومحرومی کی کوئی علامت ہے، یہ تو ایسی بے قدر چیز ہے کہ اگر اوپر درج مصلحت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ سب چیزیں صرف کافروں ہی کو دیتے، ایمان والوں کو دنیا کی زیب وزینت اور عیش پسندی کی اجازت ہی نہ دیتے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ ہم ایک سچے پکے مسلمان رہتے ہوئے غیروں کو خوش کر ہی نہیں سکتے، حق وباطل کی یہ آویزش، اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کی یہ چپقلش تخلیقِ آدم کے وقت سے ہے، اور قیامت تک یونہی جاری رہے گی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز		چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {ولن تَرضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم، قل إن هدى الله هو الهدى، ولئن اتبعت أهوائهم بعد الذي جاءك من العلم مالك من الله من ولي ولا نصير} [البقرة: ۱۲۰]۔

(اور آپ سے یہود ونصاری ہرگز مطمئن نہیں ہوں گے جب تک آپ اُن کے مذہب کو نہ اختیار کرلیں، آپ فرمادیں کہ بے شک اللہ کی رہنمائی ہی اصل رہنمائی ہے — لہٰذا مجھے بس وہی اختیار کرنی ہے —، اور اگر آپ نے اُن کی خواہشات پوری کرنے کی فکر فرمائی تو اللہ کے مقابلے میں پھر آپ کو نہ کوئی دوست ملے گا، اور نہ ہی کوئی مددگار)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: **{ودُّوا لو تكفرون كما كفروا فتكونون سواءً، فلا تتخذوا منهم أولياء حتى يهاجروا في سبيل الله}** [النساء: ۸۹] (یہ کافر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کفر کرنے لگو جیسا کہ وہ کفر کرتے ہیں، تاکہ تم سب ایک جیسے ہوجاؤ، لہٰذا اے مسلمانو! اُن میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ — خود مسلمان ہوکر — اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کریں)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے: **{ودّ كثير من أهل الكتاب لو يَرُدُّونكم من بعد إيمانكم كفاراً، حسداً من عند أنفسهم، من بعد ما تبين لهم الحق، فاعفوا واصفحوا حتى يأتي الله بأمره، إن الله على كل شيء قدير}** [البقرة: ۱۰۹] (بہت سے اہل کتاب حق واضح ہوجانے کے باوجود، صرف جلن اور حسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد کسی طرح تم کو پھر کفر کی طرف لوٹا دیں، تو تم معاف کرتے اور درگذر کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ ہی اپنا فیصلہ لے کر آئے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

بہر حال اِسلام دشمنوں کو تو کسی نہ کسی عنوان سے یہ سب کرتے ہی رہنا ہے، نہ اُن سے ہم کو کوئی شکایت ہے، اور نہ ہی کسی طرح کی امید اور توقع، جو اُن کو کرنا ہے وہ کر رہے ہیں، تشویش کی بات یہ ہے کہ ایسے حالات میں جو ہم کو کرنا چاہیے تھا وہ ہم نہیں کر رہے ہیں، مسئلہ کو جس رخ سے سمجھنا چاہیے تھا اُس رخ سے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ خطرناک بات ہوگئی ہے کہ اَب ہم ایسے حالات کے اَصل اسباب، اور حقیقی منشا کو ہی فراموش کرتے جارہے ہیں، مشکلات کے حل کی اصل تدابیر کو کوئی اہمیت بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

حالاں کہ اہل ایمان کے ہاں یہ بات طے شدہ تھی (اور اَب بھی ہے) کہ دنیا میں جو کچھ اچھا برا پیش آتا ہے وہ سب اللہ کے فیصلوں کے تابع، اور تقدیر کا حصہ ہے، بالخصوص مسلمان کو جو بھی مشکل حالات پیش آتے ہیں وہ کسی مخلوق کی طرف سے نہیں، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، ظالم وجابر حکمراں بھی اللہ ہی کی طرف سے مسلط کیے جاتے ہیں، اور ساری حکمرانی اور اختیارات کے بعد بھی وہ اللہ کی ایک حقیر سی مخلوق ہوتے ہیں، اُن کے قلوب بھی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں سخت بنا دیتے ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں نرم فرما دیتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کو جو بھی مشکل حالات پیش آتے ہیں وہ یا تو بطور اِبتلا اور آزمائش کے ہوتے ہیں، یا بطور گناہوں کی سزا اور عذاب کے، اگر ابتلا وآزمائش کی صورت ہے تو اُس میں ہمت، استقامت، صبر اور تقوی کے ساتھ ساتھ، دعاؤں اور رجوع الی اللہ کا اہتمام کرنا چاہیے، اپنی عاجزی، کمزوری اور بے بسی اللہ کے سامنے پیش کرنی چاہیے، اور غیر اللہ کے سامنے جھکنے اور دھرنا دینے کے بجائے، جائز اور ضروری تدابیر کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُسی کی بارگاہ میں پڑنا چاہیے، تقدیر پر ایمان مضبوط رکھنا چاہیے، آخرت کے شاندار انعامات کے تصور کے ساتھ دل کو مطمئن رکھنا چاہیے۔

اور اگر گناہوں کی سزا کے طور پر مشکلات پیش آئی ہیں تو صبر اور تقوی کے ساتھ ساتھ، کثرت سے توبہ واستغفار کا بھی اہتمام کرنا چاہیے، گناہوں سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کاموں سے دور رہنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان اِس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ :

۱— کیا حق وباطل کی یہ معرکہ آرائی تاریخ میں پہلی مرتبہ پیش آرہی ہے؟ کیا اہل اسلام کو، اہلِ حق کو اِس سے پہلے مشکل حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا؟

۲— اگر سامنا کرنا پڑا تو اُس وقت کیا تدابیر اختیار کی گئی تھیں؟

۳- جوبھی تدابیر اختیار کی گئی تھیں وہ مفید اور کارآمد ثابت ہوئی تھیں یا نہیں؟

۴- فتنۂ تاتار میں اہل اسلام کن حالات سے گذرے؟ کس طرح گرے؟ پھر کیوں کر سنبھلے؟ کس طرح ڈوبے؟ اور پھر کیسے ابھرے؟

۵- بلکہ اس سے بھی بہت پہلے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی بقا، ترقی اور استحکام کی وہ کون سی تدابیر اختیار کی گئیں کہ صرف تیرہ سال کے مختصر سے عرصہ میں ''اولیاء الرحمن'' کی وہ جماعت تیار ہوگئی جس نے اگلے دس سالوں میں دنیا کا منظر نامہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا، عالمی سپر پاور (قیصر وکسری) کے تانے بانے بکھیر کے رکھ دیئے، مادی اسباب سے لیس اور ظاہری شان وشوکت سے آراستہ ''اولیاء الشیطان'' کی ساری تدابیر الٹی پڑتی گئیں، اور دنیا میں ایمان، تقوی، خداترسی، خلوص، محبت، سچائی، ہمدردی، اور دعوت الی اللہ کے جذبات سے لبریز ایک ایسی بے مثال حکومت قائم ہوگئی کہ جو آج بھی اہلِ انصاف اور اصحابِ نظر کے لیے معیار اور نمونہ ہے۔

ایک خدا کے ماننے والوں کو چاہیے کہ اپنے اُس مولیٰ کو راضی کرنے کی فکر میں رہیں جس کی طرف نسبت کی وجہ سے ہم کو یہ وقتی (اور بالکل وقتی) مشکلات درپیش ہیں، اور جس نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر ہم اُس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلیں گے تو دین ودنیا کی کامیابیوں سے سرفراز ہوں گے، جیسا کہ ہم سے پہلے کے لوگ کامیاب ہو چکے ہیں: {**وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم، وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم، وليبدلنهم من بعد خوفهم أمناً...**} [النور: ۵۵] (تم میں سے جو لوگ اِیمان لائیں اور نیک اعمال کریں اُن سے اللہ وعدہ فرماتا ہے کہ اُن کو زمین کی خلافت دے دیگا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو دی تھی، اور اُن کے لیے اُس دین کو ضرور اِقتدار بخشے گا جسے اُن کے لیے پسند کیا ہے، اور اُن کو جو خوف لاحق رہا ہے اُس کے بدلے اُنھیں ضرور اَمن عطا کرے گا...)۔

اِس کے برخلاف اگر ہم نے اُس کے بتائے ہوئے طریقہ سے اِعراض کیا تو اُس

کی طرف سے صاف اعلان ہے کہ پھر زندگی تلخ کردی جائے گی:{من أعرض عن ذکري فإن له معیشةً ضنكاً} [طه :۱۲۴] (اور جو میرے ذکر سے رُو گردانی کرے گا تو اُس کی زندگی بڑی تنگ ہوجائے گی)۔

ہمارے لیے یہ بڑی محرومی اور دونوں جہان کے خسارے کی بات ہے کہ ہم اپنے مسائل کے حل کے لیے ساری تدابیر کے لیے تیار ہیں، نہیں تیار ہیں تو صرف اُن تدابیر کے لیے جو اللہ ورسول کی طرف سے براہِ راست ہم کو بتلائی گئی ہیں، اور جن کا بحیثیت مسلمان کے بار بار کامیاب تجربہ ہوچکا ہے، جن کو اختیار کرکے مسلمان بارہا حالات کے سخت گرداب سے نکل چکے ہیں، وہ تدابیر نہ کسی فقیہ کی بیان کی ہوئی ہیں کہ اُن کو مولویوں کی خانہ ساز کہہ کر نظر انداز کردیا جائے، نہ کسی امام کی مستنبط کی ہوئی ہیں کہ اُن کو مسلکی رنگ دے کر چھوڑ دیا جائے، نہ اُن میں کسی مفکر کے خیالات کا دخل ہے کہ اُن کو ذاتی رائے قرار دے دیا جائے، اور نہ ہی کسی متکلم اور فلسفی کے نظریات کی شمولیت ہے کہ سائنس کے دور میں اُن کو فرسودہ سمجھ لیا جائے۔

وہ تو اللہ کی بتائی ہوئی تدابیر ہیں جس کا کلام ازلی ہے، ہر دور اور ہر زمانہ کے لیے تیر بہدف، وہ تو قرآن میں وارد تدابیر ہیں جس کا قانون ابدی ہے، ہر طرح کے حالات کے لیے مشکل کشا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بتائی ہوئی تدابیر ہیں جو قیامت تک لیے اُسوۂ حسنہ اور تمام انسانیت کے لیے نجات دہندہ، وہ احادیث میں بیان کی گئی تدابیر ہیں جو ہر مسلمان کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور ہر مومن کے لیے نورِ بصیرت۔

ذیل میں دشمنوں کی طرف سے مسلط کردہ ہر طرح کی مشکلات سے نکلنے کے لیے، اور کسی بھی آڑے وقت میں غیبی مدد کے استحقاق کے لیے قرآن وحدیث میں منصوص بعض اہم تدابیر کو قدرے اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے، وباللہ التوفیق، وہو المستعان: (باقی آئندہ)

مولوی دین بناتا نہیں، بتاتا ہے...!!

احتشام الحسن، چکوال
Ahtesham671@gmail.com

یہ مولویوں کی باتیں ہیں......مولوی ہر کسی کو کافر اور گمراہ بناتے ہیں......مولوی فرقہ پرستی کرتے ہیں......ہر مولوی نے اپنی مرضی کا دین بنایا ہوا ہے......مولوی خود سے ہی حرام حلال بناتے رہتے ہیں......وغیرہ وغیرہ......

یہ سب وہ باتیں ہیں جو آج معاشرہ میں عام سننے کو ملتی ہیں، دین و مذہب سے بیزار لوگوں کے سامنے جب کوئی دین کی بات کی جائے، کوئی شرعی مسئلہ بتایا جائے، اللہ تعالی کا کوئی حکم بیان کیا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت بتائی جائے، کوئی عقیدہ کی بات کی جائے، تو آگے سے اس طرح کے جملے کسے جاتے ہیں، اس طرح کی باتیں کر کے بات کی اہمیت ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا، بل کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم سمجھنا ہی نہیں چاہتے، اپنی مرضی اور خواہش کا دین چاہتے ہیں، رب چاہی زندگی گزرانے کی بجائے، من چاہی، بل کہ شیطان چاہی زندگی گزانا چاہتے ہیں!!

ایک سوال:

سوال یہ ہے کہ جب ہم بیمار ہوتے ہیں، ہمیں کوئی مرض لاحق ہوجاتا ہے تو، ہم بھاگم بھاگ ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتے ہیں، وہ مرض تشخیص کرتا ہے، اور بتاتا ہے آپ فلاں بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں، یا آپ کو فلاں مرض لاحق ہو چکا ہے، تو کیا ہم وہاں بھی یہی شور کرتے ہیں کہ یہ تو بس ڈاکٹروں کی باتیں ہیں، یہ ڈاکٹر تو اپنے سے ہی بیماریاں بناتے رہتے

ہیں،!!وہاں تو ہماری زبان مبارک سے بس یہی جملے نکلتے ہیں آمنا وسلمنا،حضور جو آپ نے کہا بس وہی سچ ہے،اسی طرح ہماری کوئی مشین خراب ہوجاتی ہے،ہم کسی ماہر فن کے پاس جاتے ہیں،وہ اس کی خرابی بتاتا ہے،وہاں تو ہم نے کبھی نہیں کہا ہے کہ،یہ تو بس آپ کی باتیں ہیں،مشین تو بالکل ٹھیک تھی،آپ نے اسے خراب کر دیا ہے!!

یہ چند نمونہ کے طور پر سوال ہیں،ایسا سوال ہم سے ہر چیز کے بارے میں کیا جاسکتا ہے،کیا ہمیں صرف مولوی ہی ملا ہوا ہے،جس پر ہم نے زور آزمائی کرنی ہوتی ہے؟!!

مولوی کیا چاہتا ہے:

مولوی تو ہمارے بھلے کی بات کرتا ہے،وہ تو چاہتا ہے کہ کل جب اللہ رب العزت قیامت والے دن حساب کتاب لیں گے تو ہمیں شرمندہ نہ ہونا پڑے،کل بروز قیامت ہمیں اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نادم نہ ہونا پڑے،ان مولویوں کی تو بس یہی چاہت ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکیں!!

ہمارا مسئلے کا حل:

عموما یہ سوال ہوتا ہے کہ ایک مولوی ایک بات کرتا ہے تو دوسرا مولوی دوسری بات کرتا ہے تو ہم کنفیوز ہوجاتے ہیں،ہم پریشان ہوجاتے ہیں،اولا ایک سوال ہم پر آتا ہے کہ بعینہ یہی مسئلہ تو ہمیں ہسپتالوں اور کورٹ کچہریوں میں پیش آتا ہے،ہم نے کبھی یہ کہا کہ ہم کنفیوز ہوجاتے ہیں،لہٰذا ہم علاج نہیں کرواتے ،ہم اپنا کیس واپس لیتے ہیں!! وہاں تو ہم بڑی کوشش اور جتن کرتے ہیں کہ بے شک ہمارا جتنا پیسہ خرچ ہوجائے ،ہم اچھے ڈاکٹر اور ایمان دار وکیل کو تلاش کر ہی لیتے ہیں،اپنا علاج اور اپنے کیس میں کامیابی حاصل کر ہی لیتے ہیں!!

جب اس طرح کا مسئلہ ہمارے ساتھ دین کے معاملہ میں پیش آتا ہے تو ہم اس طرح

کے بہانے بنا کر اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو چھوڑ کر اپنی دنیا اور آخرت خراب کرنے میں لگ جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ کیا عقل مندی کا تقاضا یہی ہے؟ کیا یہ ہمارا دوہرا معیار نہیں ہے؟

ہمیں بس یہی دیکھنا چاہیے کہ مولوی جو مسئلہ بتا رہا ہے کیا قرآن وحدیث میں وہ بات ہے یا نہیں؟ صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زندگیوں سے وہ عمل ثابت ہے یا نہیں؟ (کیوں کہ انہی لوگوں کے سامنے قرآن مجید نازل ہوا اور انہوں نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ہم تک پہنچایا اور اللہ تعالی نے اپنی رضا کی مہر لگا کر قرآن مجید میں ان کے ایمان کو معیار بنا دیا کہ وہی ایمان اور عمل قابل قبول ہوگا جو ان جیسا ہوگا) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: ''**خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم**'' کے تحت ان لوگوں کی بات اور عمل کو بھی دیکھا جائے گا جن کی زندگیاں قرآن وسنت کے پڑھنے پڑھانے، سمجھنے سمجھانے میں گذری ہیں (یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کا ہر عمل حجت نہیں ہوگا، بل کہ وہی عمل قابل قبول ہوگا جو قرآن و سنت اور صحابہ کے عمل کے مطابق ہوگا) جب ہم اس ترتیب کے مطابق دین کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو ان شاء اللہ کنفیوزن نہیں ہوگی۔

ایک وضاحت:

جب ہمیں ڈاکٹر کوئی مرض یا بیماری بتاتا ہے تو ہم اس کی تفصیل نہیں پوچھتے کہ اگر سر میں درد ہے تو اس کی کیا وجہ ہے، سر کے اندر کون کونسی ہڈی میں درد ہے تو ہمیں سر میں تکلیف محسوس ہو رہی ہے؟ بل کہ ہم اس سے علاج معلوم کرتے ہیں (کیوں کہ اگر وہ اپنے علم کے مطابق اس علم کی اصطلاحات کے ساتھ بات کرے گا تو سب کچھ ہمارے سر کے اوپر سے گذر جانا ہے) اسی طرح ہم کبھی اس کے سامنے یہ بھی نہیں کہتے کہ فلاں ڈاکٹر تو اس طرح

کہہ رہا ہے بلکہ اس کی بتائی ہوئی دوا لیتے ہیں، وہ جس چیز کے استعمال کرنے کا کہتا ہے یا استعمال سے روکتا ہے ہم بڑے اہتمام سے پرہیز پر عمل کرتے ہیں، کیوں کہ ہم اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

یہی معاملہ دین کے اندر ہے کہ پہلے آپ خوب اچھے سے اور تسلی سے کسی اچھے اور ماہر مولوی کو تلاش کریں اور پھر اس پر اعتماد کریں، ان سے اپنے دینی اور شرعی مسائل بیان کریں، ان کا حل معلوم کریں، پھر جو بتائیں اس پر عمل کرلیں، پھر کوئی کمی کوتاہی رہ گئی تو یقیناً اللہ تعالی درگزر کا معاملہ فرمائیں گے۔

مولوی کافر بناتا نہیں، بتاتا ہے:

جس طرح ڈاکٹر علامات دیکھ کر مرض بتاتا ہے، بناتا نہیں ہے، اسی طرح مولوی علامات دیکھ کر کافر یا گمراہ بتاتا ہے، بناتا نہیں ہے، مولوی کسی گروہ کے عقائد، نظریات اور اعمال دیکھ کر پھر قرآن وسنت کی روشنی میں اس گروہ یا شخص کو کافر یا گمراہ قرار دیتا ہے، اب اس میں مولوی کا کیا قصور؟ مولوی کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ دین کا تحفظ کر رہا ہے، دین کی اصل شکل مسخ ہونے سے بچا رہا ہے، اور یقیناً یہ جرم نہیں ہے، بل کہ اس کی ذمہ داری ہے، وہ اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے، اس میں ہمارے لیے ہی بہتری ہے۔

طابع وناشر وایڈیٹر (مولانا) محمد سلمان (صاحب)
ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا۔

فیشن کے نام پر نئی نسل کا ہونّق پن

ڈاکٹر راحت مظاہری

e mail: dawat.tableegh@yahoo.in

قَالَ النبیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَحلِقُوہُ کُلَّہٗ أَوْ أُتْرُکُوہُ کُلَّہٗ (ابوداؤد: ۴۱۹۵) سر کے تمام بالوں کو مونڈ واؤ یا پھر سارے باقی رکھو۔

انسان کے تمام معاملات اور امور کا طریقہ وسلیقہ شریعت اسلامیہ میں موجود ہے، ایسا نہیں کہ اسلام اور شریعت صرف نماز روزہ ہی کا نام ہو بلکہ سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے گویا کہ جینے سے مرنے تک کے تمام طریقے اور گائڈ لائن ہم کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کردئے اور بتادئے ہیں مگر اس کے باوجود کوئی عام انسان ہی نہیں بلکہ وہ قوم جو اپنے اسلام اور مسلمان ہونے پر فخر کرتی ہے وہ یہود ونصاریٰ اور ان کے چیلوں یعنی فلمی ایکٹرس کے طور طریقے اپنا رہی ہے جو نہایت ہی افسوس کا مقام ہے، جیسا کہ آج کل نئی نسل کے بچے عجیب طریقے کی حجامت بنوا رہے ہیں، جس میں سر کے اوپری حصہ کے بال علیٰ حالہ چھوڑ دئے جاتے ہیں اور سائڈوں کے کاٹ دئے جاتے ہیں جس سے اچھا خاصا آدمی ہونّق سا لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں سب سے افضل، عقلمند، حسین اور خوبصورت پیدا کیا ہے اسی لئے اس کو صفائی ستھرائی زیب وزینت اور فیشن مطلوب ہے، جس کے لئے وہ نہاتا دھوتا، صاف رہتا اپنے بدن اور بطور خاص چہرے کی خوبصورتی کا زیادہ خیال رکھتا ہے، چہرے کی خوبصورتی کیلئے ہی مرد سر کے بال کٹاتے اور عورتیں ان کی حفاظت کرتی ہیں، اسی لئے انسانیت کے لئے نمونہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے بالوں میں کنگھی کی، تیل ڈالا، اور ان کو کٹایا بھی ہے جیسا حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں نبیؐ نے اپنے بالوں کو کٹوایا تو سیدنا

طلحہؓ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو لیا تھا (بخاری: ۱۷۱)

نیز محمد بن سیرینؒ نے عبیدہ سے کہا: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں جو ہم کو حضرت انسؓ کے اہل خانہ کی طرف سے ملے ہیں تو اس پر حضرت عبیدہؓ نے فرمایا: میرے پاس اگر نبیؐ کا ایک بھی بال ہوتا تو وہ مجھ کو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے زیادہ پیارا ہوتا (بخاری: ۱۷۰)

سر اور داڑھی کے بالوں کی دیکھ بھال کے بارے میں حضرت عطاء بن یسارؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص مسجد میں داخل ہوا تو اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بکھرے اور الجھے ہوئے سے تھے، آپؐ نے اس کو ہاتھ کے اشارہ سے باہر کرتے ہوئے فرمایا: چلے جاؤ، اپنے سر اور داڑھی کے بال ٹھیک کر کے آؤ، جب وہ ٹھیک کر کے واپس آیا تو فرمایا کیا یہ اس سے اچھا نہیں؟ کہ انسان شیطان کی طرح بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ رہے (مؤطا امام مالک: ۳۵۴۰ و ابوداؤد: ۱۴۹۴)

سر کے بالوں کی حفاظت کے علاوہ دنیا بھر میں ان کے بڑھنے پر ان کو کاٹنے کا پرانا رواج ہے اسی لئے مذہب اسلام نے بھی بعض موقعوں پر ان کے کاٹنے کا خاص حکم دیا ہے جیسا کہ

(۱) بچے کی پیدائش پر اس کے عقیقہ کے وقت سر کے بال کٹوانا سنت ہے، حکم ہے جب بچہ سات دن کا ہو جائے تو اس کے سر کے بال منڈوائیں، ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی جائے (سنن کبریٰ للبیہقی ۹ر ۳۰۴)

(۲) غیر مسلم کے ایمان قبول کرنے پر اس کے سر کے بال کاٹے جائیں۔

(۳) حج، اور عمرہ کے موقع پر

(۴) بیماری اور ضرورت کے وقت جیسے کہ جب کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد ان کے بچوں عبداللہ بن جعفر وغیرہ کے بال کٹوا دئے تھے (ابوداؤد: ۴۱۹۴)

جاننا چاہئیے کہ آدمی اگر اپنے سر کے بالوں کا کچھ حصہ منڈوائے اور کچھ باقی رکھے

تو یہ منع ہے(بخاری:۵۹۲۰۔ مسلم:۲۱۲۰)اسی لئے انگریزی کٹنگ بھی مذہب اسلام کی نظر میں مکروہ ہے۔

اور کبھی کبھی خود کو مزید خوبصورت بنانے یا ظاہر کرنے کے لئے انسان نت نئے فیشن نکالتا ہے جیسے کہ بعض ہندوؤں اور افریقی قوموں میں بدن کو گودنا، جس میں چہرہ، گال، ناک، بازو، کندھے حد یہ ہے کہ آنکھوں کی پلکوں، ہونٹوں اور عورت کی چھاتی تک کو بھی بھینڈ ڈالا جاتا ہے، اسی طرح سر کو خوبصورت بنانے کے لئے اس کے فالتو بال کاٹنے کا رواج ہے مگر اس میں بھی انسان کچھ وحشی اور جانوروں کی ہوڑ میں اپنے سر کے بالوں کو گندے جانور کے (Pig) بالوں کی طرح رکھنے کا عادی ہوتا جارہے ہے کہ جس طرح نئی عمر کے لڑکے سر کے بالوں کا ایک خاص نیا اسٹائل اپنا رہے ہیں ان میں کچھ بال دائیں بائیں سے چھوٹے کرا کے بیچ سر پر مرغی کی پونچھ کی طرح بال رکھ لیتے ہیں جس طرح عرب ملکوں میں غیر قانونی طور پر قیام پذیر چوری چھپے مزدوروں کو پکڑ کے ان کے بیچ سر کے کچھ بال کاٹ کران کو ملک سے باہر کھدیڑ دیا جانے کا قانون ہے، یا پھر پرانے زمانوں میں جب کسی چور اُچکّے کی عزت اتارنا مقصد ہوتا تھا تو اس کے بیچ بالوں کو قینچی سے کاٹ کر گاؤں، دیہات میں اس کا جلوس نکالنے کا رواج تھا، یعنی کچھ بال کاٹ دئے جائیں اور کچھ چھوڑ دئے جائیں اسی کو شریعت نے 'قزع' کا نام دیا ہے، محدثین نے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں

(۱) پورے سر کے بال نہ کاٹنا بلکہ جگہ جگہ سے ٹکڑوں میں کاٹنا یا مونڈنا

(۲) بیچ سر کے بال کٹوانا اور سائڈوں کے چھوڑ دینا

(۳) سائڈوں کے مونڈنا اور بیچ سے چھوڑ دینا

(۴) آگے سے کاٹنا پیچھے کے چھوڑ دینا۔

یہ تمام شکلیں ناجائز اور حرام ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو دیکھا جس کے سر کے کچھ بال مونڈ دئے گئے تھے اور کچھ چھوڑ دئے گئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَحْلِقُوْہُ کُلَّہٗ أَوْ اُتْرُکُوْہُ کُلَّہٗ(ابوداؤد:۴۱۹۵) یا تو

سارے مونڈو یا پھر سارے باقی رکھو، لہٰذا ان سب صورتوں کو عالم اسلام کے عالم دین علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الجبرین نے شیطانی فیشن سے تعبیر کیا ہے۔

لہٰذا مسلم بچوں اور بڑوں کو اگر دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات چاہئے تو ان کو یہ تمام ناجائز کام اور من مانیاں چھوڑ کر پکّا سچّا مسلمان بن جانا چاہئے جیسا کہ قرآن کا مطالبہ ہے: اے ایمان والو: اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیروکار مت بنو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (بقرہ) واقعی مسلم بچوں کو ایسے فیشن اور کٹنگ نہیں اپنانے چاہئیں جو اسلام میں ناجائز اور حرام ہوں۔

مسلم عورت سر کے بال نہیں کٹوا سکتی، اس پر لعنت ہے (بخاری) ہاں صرف حج وعمرہ میں ایک ایک پورو ابھر قصر ہے (ابوداؤد)

دراصل رونا یہ ہے کہ آج کی ہماری نئی نسل کا رول ماڈل اسلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے مسلم علماء نہیں بلکہ فلمی دنیا کے ہیرو ہیروئن اور دیگر قومیں ہیں اس لئے ان کو وہ پسند نہیں جو اسلام میں پسندیدہ ہے بلکہ ان کو وہ چیزیں اور عادتیں پسند ہیں جو ان کے رول ماڈلس کو پسند ہیں جب یہی عادتیں اور بغاوتیں پچھلی قوموں یہود ونصاریٰ میں پیدا ہوئیں جس سے ان کے ایمان اور اخلاق کا جنازہ نکلا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ توریت، انجیل اور ان کتابوں کی پیروی کرتے جو ان کے پاس بھیجی گئی تھیں تو ان پر آسمان وزمین سے رزق برستا (مائدہ)

زمزم

حقیقت، فضیلت اور احکام ومسائل

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ حیدرآباد

اللہ عز وجل نے کچھ مقامات اور جگہوں کو نہایت بابرکت اور مقدس بنایا ہے، جس میں تمام مساجد کے بشمول خصوصا حرم مکہ ومدینہ اور مسجد اقصی کے باعظمت مقامات ہیں، خصوصا حرم مکہ سے متعلق جگہوں اور مقامات میں ایک ''بئر زمزم'' (زمزم کا کنواں) ہے، جس کی حقیقت اور جس کا تقدس ہر مسلمان کے یہاں مسلم اور قابل قبول ہے۔

زم زم کی حقیقت:

زم زم مسجد حرام میں موجود مشہور اور باعظمت کنویں کا نام ہے، کعبہ شریف اور اس کے مابین تیس ذراع کا فاصلہ ہے، یہ ''مقام ابراہیم'' کے جنوبی سمت میں اس طرح واقع ہے کہ اس کے شمال مغرب کا حصہ اٹھارہ میٹر کی دوری پر حجر اسود کے محاذات میں واقع ہے۔

''زمزم'' کا نام زمزم اس کے پانی کی کثرت کی وجہ سے پڑا، ایک قول یہ بھی ہے کہ ''زم زم'' اور ''زمزوم'' کے معنی ہی کسی بھی چیز کی کثرت کے آتے ہیں، اور اسکی ایک وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ پانی چونکہ ''اکٹھا اور مجتمع'' ہے اس لئے اس پر زمزم کا اطلاق کیا گیا، چونکہ جس وقت یہ پانی بہنے لگا تو حضرت ہاجرہ نے اس پانی سے فرمایا: ''زمزم'' یعنی اکٹھے ہوجا، اس طرح یہ پانی یکجا اور اکٹھا ہو گیا، اس لئے اس کا نام ''زمزم'' پڑ گیا، ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ جس وقت یہ پانی نکل پڑا اور دائیں اور بائیں جانب بہنے لگا، تو حضرت

ہاجرہ نے اس پانی کو اس کے اطراف مٹی سے اکٹھا کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تمہاری ماں حضرت ہاجرہ نے اس پانی کا احاطہ نہ کیا ہوتا تو یہ مکہ کی وادیوں کو بھر دیتا''۔(مرآۃ الحرمین : ۱/ ۲۵۵)

زمزم کی تاریخ:

مورخین کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ ''زمزم'' سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں نے سیرابی حاصل کی تھی، لیکن اس پانی کے ابلنے اور نکلنے کی وجہ کے سلسلے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، اس سلسلے کی مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور اپنے دودھ بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر بیت اللہ آئیں اور ان کو یہیں کچھ کھانا اور پانی کے ساتھ چھوڑ دیا، جب کھانا پانی ختم ہو چکا تو حضرت ہاجرہ اپنے بیٹے کو چھوڑ کر صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کی جانب دوڑنے لگی، مدد کے لئے آواز دینے کی غرض سے انہوں نے صفا و مروہ کے سات مرتبہ چکر لگائے، حضرت اسماعیل علیہ السلام چیخنے چلانے اور اور اپنی ایڑیوں کو زمین پر رگڑنے لگے، ان کے پیروں کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابل پڑا، جب حضرت ہاجرہ نے وہاں کسی کو نہ دیکھا تو اپنے بچے پر بھیڑیئے کے خوف سے اس کے پاس لوٹ آئیں، تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے، حضرت ہاجرہ اس پانی کو روکتے ہوئے کہنے لگیں ''زم زم''۔(فضائل مکہ وحرمۃ البیت الحرام : ۹۴)۔

''زم زم'' کے احکام:

فقہاء نے حجاج اور معتمرین کے لئے زم زم کے پانی کے پینے کو مستحب قرار دیا ہے، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''زم زم'' کے پانی کو پیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی کریم کو کھڑے ہونے کی حالت میں ''زم زم'' پلایا ہے، عاصم کہتے ہیں کہ حضرت عکرمہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ اس وقت آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔(بخاری : باب ماجاء فی زمزم،حدیث :۱۶۳۷)۔

اور ایک روایت میں فرمایا: ''**أنها طعام طعم، وشفاء سقم**''(یہ کھانے والے کے لئے کھانا اور پینے والے کے لئے شفاء کا سبب ہے)(مسند الطیالسی : ۶۱)مسلم کی روایت میں ہے: ''یہ مبارک پانی ہے،اور کھانے والے کے لئے کھانا ہے''۔(مسلم: باب من فضائل أبی ذر،حدیث :۲۴۷۳)

اس لئے جس کے لئے زم زم میسر ہو وہ اسے خوب سیراب ہو کر پیئے، چونکہ اس سلسلے میں حدیث مبارک ہے: ''**آیة ما بیننا و بین المنافقین أنهم لا یتضلعون من ماء زمزم**''(ابن ماجہ: باب الشرب من ماء زمزم) ہمارے اور منافقین کے مابین ایک نشانی یہ ہے کہ وہ زمزم سیراب ہو کر نہیں پیتے۔

''زم زم'' پینے کے آداب:

''زم زم'' پینے کے کچھ آداب و مستحباب ہیں جس کا فقہاء نے تذکرہ کیا ہے:

۱۔قبلہ رخ ہو کر پیئے　　۲۔''بسم اللہ کہہ'' کر پیئے

۳۔تین سانس میں پیئے　　۴۔اور خوب آسودہ ہو کر پیئے

۵۔فراغت پر''الحمد للہ'' کہے　　۶۔ہر گھونٹ پینے پر خانہ کعبہ کو دیکھے۔

۷۔کچھ پانی اپنے سر، چہرے اور سینے پر چھڑکے۔

۸۔دنیا و آخرت کے اپنے مطلوب کے لئے دعا کرے

اس سلسلے میں ایک اثر مروی ہے حضرت عبد الرحمن بن ابو بکر فرماتے ہیں کہ: میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص آیا تو آپ نے فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: ''زم زم'' کے پاس سے، فرمایا: زم زم مناسب انداز میں پیا ہے؟ اس نے کہا: کیسے؟ فرمایا: جب تم زم زم پیو تو قبلہ رخ ہو جاؤ اور اللہ عز وجل کا نام لو، اور تین سانس میں زم زم پیو، اور اس سے خوب آسودہ ہو کر پیو اور فراغت پر''الحمد للہ'' کہو۔

اور ہر گھونٹ پر خانہ کعبہ کو دیکھے، کچھ پانی اپنے سر، چہرے اور سینے پر چھڑکے، اور دنیا

وآخرت کے اپنے مطلوب ومقصود کے لئے خوب دعا کرے، اورزم زم پیتے وقت یوں کہے ''اے اللہ! آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ: ''زم زم'' کا پانی پینے پر نیت سے مقصود ومطلوب حاصل ہوتا ہے، میں اسی لئے زم زم پی رہا ہو، پھر اپنی دنیا وآخرت کی مراد ومطلوب کو ذکر کرے، اوراس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جودعا کی تھی وہ دعا بھی کرے۔ ''اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا، ورِزْقًا وَاسِعًا وشِفَاءمِنْ کُلِّ دَاء'' (اے اللہ میں آپ سے علم نافع، رزق واسع، اور ہر بیماری سے شفا طلب کرتا ہوں)

(الاختیار لتعلیل المختار: فصل دخول مکة: ۱۵۶/۱۔أحکام الحرمین المکی والمدنی فی فقه الإسلامی: ۱۱۹)

زم زم کا پانی مطلب اور مقصد کی برآری کے لئے کہیں بھی پیا جائے تو مؤثر ہے، خواہ حرم مکی میں یا اس کے علاوہ دیگر مقامات پر، اگرزم زم کا پانی پینے والا اپنے علاوہ کسی کی نیت سے پیئے تو بھی مقبول ومطلوب ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے بیٹے یا بھائی وغیرہ کی نیت سے زم زم پیئے تو وہ اس کے مقصد کے برآوری کے مؤثر ہوگا۔ (نہایۃ المحتاج: ۳۰۹/۳)

حمیدی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں سفیان بن عیینہ کے پاس تھا، انہوں نے یہ حدیث ''ماءزمزم لما شرب له'' سنائی ایک شخص مجلس سے اٹھا پھر لوٹ کرآیا اور کہنے لگا: ابومحمد ماءزمزم کے سلسلے میں آپ نے جو حدیث بیان کی کیا وہ صحیح نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، اس نے کہا: ابھی میں نے اس نیت سے ایک ڈول پانی پیا ہے کہ آپ مجھ سے ایک سو احادیث بیان کریں، تو اس سے حضرت سفیان نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ شخص بیٹھ گیا تو حضرت سفیان نے اس کو سو حدیث سنائیں۔

زم کھڑے ہوئے کر پیئے یا بیٹھ کر؟

فقہاء نے فرمایا ہے کہ زم زم بھی عام پانیوں کی طرح بیٹھ کر پینا مسنون ہے اور جس حدیث میں کھڑے ہوکر پینے کا تذکرہ ہے، وہ بیانِ جواز پر محمول ہے، چونکہ اس سے پہلے بخاری کی روایت کے حوالے سے حضرت عکرمہ کا قول گذرا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر زم زم کا پانی نہیں پیا تھا آپ تو سواری پر سوار تھے۔ (بخاری: باب ماجاء فی زمزم، حدیث: ۱۶۳۷)

زمزم ساتھ لانا:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ''زم زم'' کو حرم مکی سے لایا جاسکتا ہے، پھلوں کی مثل، کیوں کہ یہ ختم ہونیوالی چیز نہیں ہے (ردالمحتار: ۲/۶۲۵) کیوں کہ مریضوں کے لئے شفا کا باعث ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ مکہ سے زم زم کا پانی لاتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بتلاتیں کہ آپ زمزم کا پانی مکہ سے لاتے اور بعض دیگر روایتوں میں یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ لعیہ وسلم زم زم کا پانی لاتے اور اس کو مریضوں اور بیماروں پر چھڑکتے'' **وکان یصب علی المرضی ویسقیهم**'' (التاریخ الکبیر للبخاری: ۳/۱۸۹)

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے حضرت حسن وحسین کی تحنیک فرمائی (ردالمحتار: ۲/۶۲۵، دارالفکر، بیروت) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سہیل بن عمرو سے ''زم زم'' کا پانی بطور ہدیہ طلب کیا (مجمع الزوائد: باب فی ماء زمزم، حدیث: ۵۷۰۸)

زم زم سے پاکی کا حصول:

زم زم کے پانی سے استنجاء اور نجاست حقیقی کو کپڑے یا بدن سے زائل کرنا مکروہ ہے، بلکہ بعض علماء نے تو اس کو حرام قرار دیا ہے، البتہ پاک اعضاء پر وضو اور غسل کیا جاسکتا ہے، بلکہ بعض نے تو اس طرح وضو اور غسل کو مستحب کہا ہے، احناف نے جنبی اور محدث کے لئے اس پانی سے غسل کے ناجائز ہونے کی صراحت کی ہے (ارشاد الساری شرح مناسک ملاعلی القاری: ۳۲۸)

الغرض یہ کہ زمزم کا پانی نہایت بابرکت اور محترم پانی ہے، یہ فضیلت و برکت کا حامل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی کو ''مبارک'' ''غذا'' اور ''شفا'' فرمایا ہے:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''**خیر ماء علی وجه الأرض ماء زمزم، فیه طعام من الطعم، وشفاء من السقم**'' (المعجم الکبیر للطبرانی) روئے زمین کا سب سے بہتر پانی زم زم ہے، یہ

بھوکے کے لئے کھانا اور مریض کے لئے شفاء ہے، اس پانی کے پینے کی وجہ سے انسان کو کھانے سے استغناء حاصل ہوجاتا ہے اور اسے بیماری سے شفاء حاصل ہوجاتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری کا اس سلسلے میں واقعہ منقول ہے کہ وہ نبی کریم کے پاس تشریف لائے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہ پہلا آدمی تھا جس نے اسلام کے طریقہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو، آپنے فرمایا تجھ پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمتیں ہوں، پھر آپنے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا میں قبیلہ غفار سے ہوں.......... آپنے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا تو یہاں کب سے ہے میں نے عرض کیا میں یہاں تین دن رات سے ہوں آپنے فرمایا تجھے کھانا کون کھلاتا ہے میں نے عرض کیا میرے لئے زمزم کے پانی کے علاوہ کوئی کھانا نہیں ہے پس اس سے موٹا ہوگیا ہوں یہاں تک کہ میرے پیٹ کے بل مڑ گئے ہیں اور میں اپنے جگر میں بھوک کی وجہ سے گرمی بھی محسوس نہیں کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پانی بابرکت ہے اور کھانے کی طرح پیٹ بھی بھر دیتا ہے (مسلم: باب من فضائل أبی ذر رضی اللہ عنہ، حدیث: ۲۴۷۳)

زمانہ جاہلیت میں بھی یہ پانی نہایت متبرک اور مقدس شمار ہوتا تھا، لوگ اپنے بچوں اور عیال کو لاکر یہاں پانی پلاتے، اور زمانہ جاہلیت میں اس پانی کو ''شباعۃ'' (سیراب کرنے والا) کہا جاتا تھا۔ (تہذیب الأسماء واللغات: ۳/۱۳۹)۔

زمزم نہایت متبرک اور محترم پانی ہے، خود بھی پیئے، خوب آسودہ ہوکر پیئے، آداب کی رعایت کے ساتھ پیئے، مریضوں اور بیماروں کو پلائے اور مقصد کی برآوری کی نیت سے پیئے، خود کے لئے دعا کرے دوست واحباب کے لئے بھی دعا کرے اور اور زمزم کا پانی لاکر دوست واحباب کو بطور ہدیہ عنایت بھی کرے۔

عدت کے ضروری احکام ومسائل

مفتی شعیب احمد صاحب بستوی معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

شریعت اسلامیہ ہی وہ واحد شریعت ہے جس میں جملہ افراد کے حقوق ومعاملات کی رعایت کی گئی ہے اور اس کے احکام اتنے سہل اور آسان ہیں کہ ہر شخص اس پر عمل کرسکتا ہے، منجملہ ان احکام کے ایک حکم عدت کا بھی ہے مگر اس میں بہت ہی افراط وتفریط ہورہی ہے، لوگ طرح طرح کے اور عجیب وغریب سوالات کرتے ہیں اس لیے خیال ہوا کہ شریعت مقدسہ نے عدت کے باب میں جو کچھ بیان کیا ہے اسے وضاحت کے ساتھ بیان کردیا جائے تاکہ معترضین کی زبانیں بند ہوں اور اہل حق کو صحیح معلومات فراہم ہوسکیں۔

عدت کے لغوی معنی ہیں شمار کرنا اور شرعاً عدت کہتے ہیں عورت کا اس مدت کے ختم ہونے کا انتظار کرنا کہ اس کے بعد اس کے لیے نکاح کرنا حلال ہوجائے۔

عدت کی اقسام:

عدت گذارنے والی عورتوں کی دو قسمیں ہیں (۱) بیوہ (۲) مطلقہ پھر ان دونوں کے حالات کے اعتبار سے عدت کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) عدت بیوہ غیر حاملہ (۲) عدت مطلقہ حائضہ (۳) عدت مطلقہ صغیرہ اور آئسہ (۴) عدت حاملہ

۱ — عدت بیوہ:

وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوجائے اور وہ حمل سے نہ ہو تو چاند کے مہینوں کے اعتبار سے اس کی عدت چار مہینہ اور دس دن ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ شوہر کا انتقال عربی مہینہ کی پہلی تاریخ میں ہوا ہو، اور اگر انتقال مہینہ کی کسی اور تاریخ میں ہوا ہے تو پھر اس صورت میں کل ایک سو

تیس دن عدت کے پورے کرنے ہوں گے یعنی ہر مہینہ تیس دن کا شمار کیا جائے گا اور جس وقت شوہر کا انتقال ہوا تھا اس وقت عدت پوری ہوجائے گی، نیز شوہر کے انتقال کے فوراً بعد سے عدت شروع ہوجاتی ہے ایسا نہیں کہ شوہر کا جنازہ اٹھ جائے یا جب عورت عدت میں بیٹھ جائے اس وقت سے عدت شروع ہوگی۔ اور اس حکم میں تمام عورتیں برابر ہیں چاہے بیوی چھوٹی اور نابالغ ہو اور چاہے بالغ اور جوان ہو اور چاہے بوڑھی اور ضعیف ہو، نیز رخصتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، صرف نکاح ہوا ہو۔

۲— عدت مطلقہ حائضہ:

وہ عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی ہو اور اسے ماہواری بھی آتی ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ صرف نکاح ہوا ہے رخصتی اور خلوت نہیں ہوئی، ایسی مطلقہ عورت پر کوئی عدت نہیں اور اگر شوہر کے ساتھ خلوت صحیحہ بھی ہوچکی ہو تو پھر ایسی عورت کی عدت طلاق کے بعد تین ماہواری آجانے کے بعد پوری ہوگی اس میں دنوں کی تحدید نہیں جیسا کہ عوام میں تین مہینہ یا تین مہینہ دس دن مشہور ہے یہ غلط ہے۔

اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ عدت کم سے کم دو مہینہ یعنی ساٹھ دن میں پوری ہوسکتی ہے اس سے کم میں نہیں، یعنی اگر کوئی عورت کہے کہ طلاق کے بعد مجھے تین ماہواری آچکی ہیں لہٰذا میری عدت پوری ہوچکی ہے اور ابھی طلاق ہوئے ساٹھ دن نہیں ہوئے ہیں تو اس عورت کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر ساٹھ دن پورے ہوچکے ہیں تو اس صورت میں اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، **ومن قالت انقضت عدتی فالقول لها مع الیمین ان مضی علیها ستون یوماً عند الامام کل حیض عشرة و کل طهر خمسة عشر۔** کذا فی الخانیہ مجمع الانہر ۱/۴۷۷۔ تین ماہواری ہر ماہواری دس دن اور دو طہر، ہر طہر (پاکی) پندرہ دن۔ کل ساٹھ دن۔

۳— عدت مطلقہ نابالغہ و آئسہ:

یعنی وہ عورت جس کو ماہواری نہیں آتی چاہے صغرسنی (نابالغی) کی وجہ سے، یا کبرسنی

(بڑھاپے) کی وجہ سے جس کو شریعت کی اصطلاح میں آئسہ کہتے ہیں ایسی مطلقہ عورتوں کی عدت تین مہینے ہے۔

۴ — عدت مطلقہ و بیوہ حاملہ:

وہ عورت جو حمل سے ہو چاہے مطلقہ ہو یا بیوہ، شریعت نے اس کی عدت وضع حمل (بچہ جننا) قرار دی ہے، **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (الایۃ)**

اور یہ وضع حمل چاہے جتنے دنوں میں ہو بچہ پیدا ہوتے ہی عورت کی عدت پوری ہو جائے گی اور ایام نفاس عدت میں شمار نہیں ہوں گے۔

عدت کے احکام

عدت طلاق اور عدت وفات کے احکام اور مدت میں کچھ فرق ہے اس لیے دونوں کا حکم الگ الگ لکھا جاتا ہے۔

۱ — وہ عورت جسے اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی ہو ایک ہو یا دو تو عدت کے اندر اسے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے گھر ہی میں رہ کر وہیں پر عدت گذارے، عدت گذارنے کے لیے مکان اور عدت کا خرچہ شوہر کے ذمہ ہوگا، ایسی عورت کے لیے نہ شوہر سے پردہ ہے اور نہ ہی اس کے لیے بناؤ سنگار اور زیب وزینت کی ممانعت ہے بلکہ عورت کو چاہئے کہ خوب بناء وسنگار سے رہے تاکہ شوہر اس کی طرف مائل ہو کر اس سے رجوع کرلے۔

البتہ اگر عورت کو اس کے شوہر نے طلاق مغلظہ (تین طلاق) دیدی ہو تو عدت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ شوہر کے مکان پر گذارے، مگر چونکہ ایسی عورت شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ شوہر سے پردہ میں رہے اس سے کسی طرح کا اختلاط اور میل ملاپ نہ رکھے اور نہ بناؤ سنگار کرے اور عدت کے زمانہ کے خرچ کا ذمہ دار شوہر ہی ہوگا بشرطیکہ عورت شوہر کے مکان میں عدت گذارے یا شوہر کی اجازت سے اپنے میکے یا کسی اور جگہ گذارے اور اگر اپنی مرضی سے بغیر شوہر کی اجازت کے کہیں اور عدت گذارے گی تو ایسی عورت شریعت کی اصطلاح میں ناشزہ

کہلاتی ہے ایسی معتدہ عورت کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے اور عدت کے دوران کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں اگر کرلیا تو وہ نکاح غیر معتبر ہوگا۔

۲۔ بیوہ : اس کی عدت کتنے دن ہے یہ تو معلوم ہو چکا، باقی حکم یہ ہے کہ شوہر کی زندگی میں اس کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی اسی میں عدت گذارے اور اس پورے مکان میں جہاں چاہے رہے کسی خاص جگہ کی کوئی پابندی نہیں ہے البتہ مکان سے باہر نہ جائے الا یہ کہ کوئی ضرورت طبعی یا شرعی پیش آجائے مثلاً ضروریات بشریہ (پاخانہ، پیشاب) کے لیے یا نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں ہے یعنی نقد وغیرہ بھی کچھ نہیں ہے کہ جس سے عدت کے زمانہ کا کھانا پینا ہو سکے اور نہ کوئی دوسرا انتظام ہے تو ملازمت کے لیے یا ایسی مریضہ ہے کہ ڈاکٹر کے پاس جائے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو ان صورتوں میں گھر سے پردہ کے ساتھ نکلنا جائز ہے لیکن ضروری ہے کہ رات مکان سے باہر نہ گذارے بلکہ مکان میں آکر رات گذارے۔

تنبیہ : عدت وفات میں عورت کا نان ونفقہ اور رہائش کا مکان اس کی سسرال یعنی شوہر کے اعزاء کے ذمہ نہیں ہے اور نہ شوہر کے ترکہ میں سے اسے لینے کا حق ہے البتہ شوہر کے ترکہ میں جو اس کا شرعی حصہ بنتا ہو اسے وہ لے سکتی ہے۔

اور مکان کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جس مکان میں وہ شوہر کے ساتھ رہا کرتی تھی اگر وہ مکان کرایہ کا تھا اور یہ عورت کرایہ ادا کرنے پر قادر ہے تو کرایہ دے کر عدت اسی مکان میں گذارے اس سے منتقل ہونا عدت کے دوران جائز نہیں اور اگر کرایہ دینے کی گنجائش نہیں ہے، یا گنجائش تو ہے لیکن مالک مکان اسے خالی کرانا چاہتا ہے تو اس صورت میں اس مکان سے منتقل ہونا جائز ہے۔

اور اگر مکان کرایہ کا نہیں بلکہ شوہر کی ملک ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد ورثہ میں تقسیم ہو گیا اور بیوہ کے حصہ میں جو مکان آیا وہ رہائش کے لیے ناکافی ہے اور دوسرے ورثہ اسے اپنے اپنے حصے میں رہنے نہیں دیتے یا مکان تو رہائش کے لیے کافی ہے لیکن وہ لوگ بھی وہیں رہتے ہیں

جن سے شرعاً پردہ کرنا ضروری ہے اور وہ لوگ پردہ کرنے نہیں دیتے تو اس صورت میں اس مکان سے دوسرے مکان میں عدت کے دوران منتقل ہونا جائز ہے مگر اس میں یہ بھی خیال رکھے کہ اس مکان سے قریب سے قریب جس مکان کا انتظام ہو سکے وہاں منتقل ہو کر عدت گذارے۔

عدت کا پردہ: یاد رکھنا چاہئے کہ عدت کا الگ سے کوئی پردہ نہیں ہے بلکہ عدت سے قبل جن لوگوں سے شرعاً پردہ واجب ہے عدت کے اندر بھی انھیں لوگوں سے پردہ واجب ہے، مثلاً باپ، دادا، حقیقی بھائی، حقیقی چچا، حقیقی نانا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسہ، خسر، داماد، بھتیجہ، بھانجا صرف ان لوگوں سے پردہ نہیں ہے باقی اور لوگوں سے پردہ ہے بلکہ ایک اصول ہے کہ جس کسی سے کسی وقت بھی عورت کا نکاح ہوسکتا ہو ان سے شرعاً پردہ ہے اور جن سے کسی وقت بھی نکاح نہیں ہوسکتا ان سے پردہ نہیں ہے۔

ممنوعات عدت: عدت کے زمانہ میں عورت کے لیے زیب وزینت اور بناؤ سنگار ناجائز ہے مثلاً بدن یا کپڑوں پر خوشبو لگانا، زیورات پہننا، چوڑیاں پہننا اگرچہ کانچ وغیرہ ہی کی کیوں نہ ہوں، مہندی لگانا، نئے کپڑے پہننا وغیرہ غرضیکہ زیب وزینت کی نیت سے کوئی بھی چیز استعمال کرنا ناجائز ہے البتہ ضرورت کے وقت سر دھونا، نہانا، یا بغیر خوشبو والا تیل لگانا جب کہ تیل ڈالنے کی عادت ہو اور تیل نہ لگانے سے سر میں درد ہونے کا ظن غالب ہو تو یہ درست ہے۔

اغلاط العوام: عدت کے زمانہ میں جو لوگ آسمان سے پردہ کراتے ہیں یا اسی طرح عدت پوری ہونے کے بعد عورت کا مکان سے نکلنا اور دوسرے نئے کپڑے بدلنا ضروری سمجھتے ہیں، یا گھروں میں رنگ وروغن کراتے ہیں یا اسی طریقہ سے عورت کے میکے والے باپ، بھائی یا دوسرا کوئی رشتہ دار دعوت کرتا ہے اور پھر اسے نئے جوڑے دیتا ہے یہ سب چیزیں بے اصل ہیں شریعت سے ان کا کوئی جوڑ نہیں بس شرعی چیز یہ ہے کہ عدت کے زمانہ میں جن جن چیزوں پر پابندی تھی اب وہ پابندی ختم ہوگئی، اب عورت اپنا نکاح بھی کرسکتی ہے اور بضرورت مکان سے باہر بھی جاسکتی ہے، نئے کپڑے بھی پہن سکتی ہے اور زیب وزینت کی چیزیں بھی استعمال کرسکتی ہے، اب شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

ایک واقعہ

جو عبرت کا سامان فراہم کرتا ہے

مولانا مدثر جمال تونسوی، بھاولپور

احمد بن حرب ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں، عبادت اور تقویٰ ان کا شعار اور پہچان تھی، ان کا ایک مجوسی پڑوسی تھا، جس کا نام بہرام تھا، وہ مجوسی بڑے تاجروں میں شمار ہوتا تھا، اس کا مال دور دراز کے علاقوں میں لے جایا جاتا تھا، اس کا ایک شریک بھی تھا چنانچہ ایک بار اس کا شریک مال لے کر کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں سب مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔

غم کے اس موقع پر شیخ احمد بن حرب نے اپنے دوستوں سے کہا کہ چلو اپنے اس پڑوسی سے اظہار افسوس کر آئیں کہ ان کا بڑا نقصان ہوا ہے اور پڑوسی ہونے کے ناطے اسے تسلی دینا اور اس کی خبر گیری کرنا ہمارا حق ہے، جب شیخ اپنے دوستوں سمیت اس کے دروازے پر پہنچے تو اس مجوسی نے ان کا استقبال کیا، شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو بٹھایا، اس مجوسی کے دل میں یہ بات آئی کہ شاید شیخ بھوک وغیرہ کی تنگی کی وجہ سے اس کے پاس آئیں ہیں، کیوں کہ ان دِنوں غلے کی قلت تھی، شیخ اس کے برتاؤ سے اس معاملے کو سمجھ گئے تو اس سے کہا: دیکھو ہم تمہارے پاس فقط تمہاری دلجوئی کے لیے آئے ہیں، کیونکہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تمہارے شریک تجارت سے ڈاکوں نے سب مال لوٹ لیا ہے۔

اس پر وہ مجوسی بولا : ہاں یہ بات درست ہے مگر پھر بھی میں تین باتوں پر شکر کرتا ہوں:

انہوں نے مجھ سے مال لوٹا ہے، مگر میں نے تو کسی کا مال نہیں لوٹا۔

میرا آدھا مال لوٹا گیا ہے، جب کہ باقی آدھا مال تو میرے پاس موجود ہے۔

اگرچہ میرا کافی مال لوٹ لیا گیا ہے، مگر میرا مذہب اور دین تو باقی ہے۔

شیخ اس کی یہ بات سن کر بہت متعجب ہوئے کہ ایک مجوسی ہو کر یہ شخص کیسے عمدہ خیالات رکھتا ہے۔

پھر شیخ نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یہ باتیں لکھ لو، بہت کام کی ہیں، اور اس سے مجھے اسلام کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

پھر شیخ نے اس مجوسی کی طرف توجہ کی اور اس سے پوچھا:

تم اس آگ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

اس نے کہا: تاکہ یہ مجھے جلائے نہیں، نیز میں نے اس آگ کو دہکانے کے لیے اسے بے شمار لکڑیاں دی ہیں تو پھر بھلا یہ کیوں کر مجھ سے دغا کرے گی؟ اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچائے گی۔

شیخ نے اس مجوسی کی یہ بات سن کر کہا:

دیکھو تم سے بہت بڑی غلطی ہو رہی ہے، کیوں کہ یہ آگ بہت کمزور اور بے بس ہے، اور پھر اس میں وفاء نام کی کوئی چیز بھی نہیں ہے، اور تم نے اس کے بارے میں جو گمان کر رکھا ہے وہ محض ایک بے اصل اور باطل گمان ہے، اس کی بے بسی دیکھنی ہو تو یہی دیکھ لو کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس پر پانی بہا دے، اس پر مٹی پھینک دے، تو یہ بجھ جاتی ہے، جو چیز خود اس درجہ کمزور اور بے بس ہو تو وہ تمہیں کیونکر ایک قوی و قادر پروردگار تک پہنچا سکتی ہے؟ اور جو چیز خود اس قدر عاجز ہو کہ وہ اپنے آپ سے پانی کے ایک قطرے یا مٹی کی ایک مٹھی نہ روک سکتی ہو تو وہ تمہیں عذاب سے کیونکر بچا سکے گی؟

پھر یہ بھی دیکھو کہ یہ آگ کس قدر جاہل ہے کہ مشک اور گندگی میں کوئی فرق نہیں کر سکتی، چنانچہ اگر تم یہ دونوں چیزیں اس میں پھینک دو تو یہ دونوں کو برابر جلا دے گی۔

پھر اس کی بے وفائی بھی دیکھو کہ تم کئی سالوں سے اس کی عبادت میں مشغول ہو، جبکہ میں اسے معبود سمجھتا ہی نہیں، اب ذرا کچھ دیر کے لیے ہم دونوں اس میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں اور پھر

دیکھتے ہیں کہ وہ تمہارے اور میرے درمیان کوئی فرق کرتی ہے یا نہیں؟ اور میرے ہاتھ کے ساتھ تمہارے ہاتھ کو بھی جلاتی ہے یا نہیں؟

شیخ کی یہ باتیں سن کر وہ مجوسی بہت متاثر ہو گیا۔

مگر پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا : اچھا میں بھی تم سے چار سوال کرتا ہوں، اگر تم نے ان کے جواب دے دیئے تو میں ابھی ایمان لے آؤں گا۔

یہ سن کر شیخ نے کہا : ٹھیک ہے تم اپنے سوال بتاؤ۔

اس موقع پر اس مجوسی نے چار سوال کیے:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا؟ وہ مخلوق کو رزق کیوں دیتا ہے؟

وہ مخلوق کو موت کیوں دیتا ہے؟ اور موت کے بعد وہ انہیں زندہ کیوں کرے گا؟

شیخ نے جواب دیا:

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں

اللہ تعالیٰ مخلوق کو رزق دیتے ہیں، تا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کو پہچانے

اللہ تعالیٰ مخلوق کو موت دیتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت، بادشاہت اور شانِ قہاریت کا اِقرار و اِعتراف کریں

اللہ تعالیٰ مخلوق کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کریں گے، تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت اور شانِ علم کو پہچان لیں

جب اس مجوسی نے اپنے اُن چاروں سوالوں کے یہ جواب سنے تو کہنے لگا : مجھے ابھی اسلام قبول کراؤ، شیخ نے فوراً اس سے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دلوائی، جب وہ گواہی دے چکا تو اِدھر شیخ نے فرطِ تاثر سے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔

جب شیخ کو افاقہ ہوا تو اس مجوسی نے پوچھا : شیخ آپ کو کیا ہوا تھا؟

شیخ نے کہا : جب میں نے کلمہ شہادت پڑھوانے کے لیے شہادت کی انگلی اٹھائی تھی تو

میرے دل سے آواز آئی کہ دیکھو اس شخص نے کتنے ہی سال آگ کی پرستش میں گزارے اور اب اس کلمہ شہادت کے ذریعے اس کا انجام کس قدر اچھا ہوگا، جبکہ میں خود کتنے ہی سال سے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کر رہا ہوں مگر میرا انجام ابھی تک مجھے معلوم نہیں ہے، بس اسی خوف کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہوگئی۔ (تذکرۃ الاولیاء)

یہ پورا واقعہ ہمارے لیے عبرت ہی عبرت ہے، ہماری زندگی بھی ان چاروں سوالوں سے براہ راست جڑی ہوئی ہے، ہم بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، ہمیں بھی وہی رزق دے رہا ہے، ہمیں بھی اسی کے مقرر کردہ وقت پر موت آجائے گی اور وہی ہمیں دوبارہ بھی مقرر کردہ وقت پر زندہ کرکے اٹھائے گا، کاش کہ ہم ان چاروں مراحل میں کلمہ طیبہ ''لاالہ الا اللہ، محمد رسول اللہ'' سے جڑے رہیں اور یہ پاکیزہ کلمہ ہمارے ساتھ جڑا رہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کی معرفت، اس کی الوہیت و بادشاہت اور شان قہاریت کا اعتراف اور اس کی قدرت وعلم کامل کا یقین واستحضار، قدم قدم پر ساتھ رہے۔

شیخ موصوف کا یہ قول بھی قابل یادداشت ہے کہ: ''جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو، کوشش کرو کہ تم دنیا کے دھوکے سے بچ کر رہو، اور یاد رکھو کہ جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آزمایا ہے تو وہ تمہیں بھی آزمائے گا۔''

اسراف اور نمائش

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كُلْ ماشِئتَ ، وَالْبَسْ ماشئت، ماأَخْطَأتکَ خَلَّتَانِ :سَرَفٌ، أَوْ مَخِيْلَةٌ ۔ (مصنف ابن أبي شيبة، رقم ۲۵۳۷۵)

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو چاہو پہنو میں تم پر کوئی الزام نہیں رکھتا لیکن دو خصلتیں بری ہیں ایک تو اسراف، دوسرے نمائش۔

قربانی کے ضروری مسائل

انتخاب وترتیب: **عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی**

قربانی کے جانوراوران کی عمریں : گائے ،بیل،بھینس،اونٹ ،اونٹنی، بکرا، بکری ،بھیڑاور دنبہ کی قربانی جائز ہے، ان کے علاوہ دیگر جانوروں مثلاً مرغا، مرغی ،خرگوش ،بطخ اور کبوتر وغیرہ کی قربانی جائز نہیں اور قربانی کی نیت سے ذبح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قربانی کے جانوروں میں سے اونٹ پانچ سال، گائے ،بیل، بھینس اور بھینسا دو سال کا، بکرا بکری، بھیڑ اور دنبہ ایک سال کا ہونا ضروری ہے، اس سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں، البتہ چھے ماہ سے زائد کا دنبہ اس قدر فربہ ہو کہ وہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

اگر جانور دیکھنے میں کم عمر کا معلوم ہوتا ہو مگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس کی عمر پوری ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

قربانی کے حصے : گائے ،بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اور اونٹنی میں سات افراد شریک ہوں تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ قربانی درست ہے:

تمام شرکاء مسلمان ہوں، ثواب حاصل کرنے کی نیت سے شریک ہوں، اگر چہ ثواب حاصل کرنے کی جہت مختلف ہو، مثلاً واجب قربانی ،نفلی قربانی ،عقیقہ، لہٰذا اگر کوئی شخص صرف گوشت حاصل کرنے کی نیت سے شریک ہو تو سب کی قربانی درست نہیں۔

وہ جانور جن کی قربانی ناجائز ہے: جس جانور کے سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔

جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہیں، یا پورا ایک کان کٹا ہوا ہے، یا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہے، اس کی قربانی درست نہیں۔

جس جانور کی ناک کٹی ہوئی ہے، اس کی قربانی جائز نہیں۔

جو جانور اندھا ہو یا اس کی تہائی بینائی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اس کی قربانی جائز نہیں۔

جس جانور کی زبان کٹی ہوئی ہو اور چارہ نہ کھا سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں، اور چارہ نہ چَر پاتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا رکھا تو جاتا ہے مگر جانور چل نہیں سکتا تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

جس جانور کی دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹی ہوئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

ایسا دُبلا اور لاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو، یا کمزوری کی وجہ سے ذبح کرنے کی جگہ تک نہ جا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

قربانی کا وقت: عیدالاضحیٰ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کا وقت ہے، ان تینوں دونوں میں جس وقت بھی قربانی کی جائے درست ہے، لیکن افضل بقرعید کا پہلا دن ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔

گیارہویں اور بارہویں ذوالحجہ کی رات کو قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ رات کو ذبح نہ کیا جائے، اس لیے کہ رگوں کے درست طریقے سے نہ کٹنے کا امکان ہے، البتہ اگر مناسب روشنی کا انتظام کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

بارہویں تاریخ کو سورج کے غروب سے پہلے تک قربانی درست ہے، سورج غروب ہو جانے کے بعد قربانی درست نہیں ہوگی۔

شہر (ایسی جگہ جہاں عید کی نماز ہوتی ہو) والوں پر لازم ہے کہ قربانی کا جانور عید کی نماز کے بعد ذبح کریں، اس سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں۔

کسی عذر کی وجہ سے اگر عید کی نماز دسویں ذوالحجہ کو نہیں پڑھی جا سکی، بلکہ گیارہویں یا بارہویں کے لیے مؤخر کر دی گئی، تو گیارہویں اور بارہویں کو نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست ہے۔

اگر قربانی کرنے والے نے نماز عید ابھی تک نہیں پڑھی، مگر شہر میں کسی بھی جگہ نماز عید ادا کی گئی ہے تو وہ قربانی کرسکتا ہے، اس لیے کہ خود قربانی کرنے والے کا نماز عید سے فارغ ہونا ضروری نہیں، بلکہ مسجد یا عید گاہ میں نماز عید کا ادا ہوجانا کافی ہے۔

جن دیہات اور گاؤں میں نماز عید و جمعہ واجب نہیں وہاں صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد قربانی کرنا درست ہے۔

ذبح کرنے کے ضروری مسائل: جو شخص ذبح کرنا جانتا ہے تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور خود ذبح کرے، اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود موجود ہونا افضل ہے، اگر ذبح کرتے وقت مندرجہ ذیل دعا یاد ہو تو اسے پڑھے اور اگر دعا یاد نہیں تو کوئی حرج نہیں، دل سے نیت ہی کافی ہے۔

دعا یہ ہے: "﴿إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لا شريک له وبذلک أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم منک ولک﴾

پھر ﴿بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ﴾ کہہ کر ذبح کرے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْه مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِکَ محمدٍ وَ خَلِيْلِکَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصلوة والسَّلَامَ﴾

نوٹ: اگر کوئی شخص اپنا جانور خود ذبح کررہا ہے تو مذکورہ دعا میں "منی" پڑھے گا، اگر کسی اور کا جانور ذبح کررہا ہے تو "منی" کی جگہ "من" کے بعد ان لوگوں کے نام کا اضافہ کرے گا۔

ذبح کرنے کی اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت متعین ہو۔

عورت اور بچے کا ذبح کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ بچہ ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

قربانی میں ذبح کرتے وقت شرکاء کا نام پکارنے کی ضرورت نہیں۔

ذبح کرنے کے فوراً بعد کھال نہ اتاری جائے، بلکہ جسم ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا جائے، پھر کھال اتاری جائے۔ قبلہ رخ بائیں کروٹ پر جانور کو لٹانا مستحب ہے۔

مرتد، قادیانی کا ذبیحہ حرام ہے، ان سے قربانی یا کسی اور موقع پر جانور کا ذبح کرانا حرام ہے۔

گوشت کی تقسیم : بڑے جانور میں اگر سات آدمی یا اس سے کم شریک ہوں تو گوشت تقسیم کرتے وقت اٹکل سے نہ بانٹیں، بلکہ تول کر برابر برابر بانٹنا ضروری ہے، کمی بیشی کی صورت میں گناہ ہوگا۔

جب شرکاء آپس میں گوشت تقسیم کرنا چاہیں تو وزن کر کے تقسیم کرنا ضروری ہے، اگر سارا گوشت لوگوں میں تقسیم کرنا چاہیں، یا پکا کر کھلائیں تو اس وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں۔

مستحب یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصہ کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے، ایک حصہ رشتہ داروں میں اور ایک حصہ فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کرے، اگر کوئی شخص عیال دار ہونے کی وجہ سے یا ویسے ہی تمام گوشت خود رکھنا چاہتا ہے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قربانی کا گوشت، سری پائے اور چربی کا بیچنا جائز نہیں، بالفرض اگر کسی نے فروخت کرلیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اپنے پاس رکھنا یا استعمال میں لانا جائز نہیں۔

قصائی کو بطور اجرت گوشت دینا جائز نہیں۔

قربانی کا گوشت سکھا کر رکھنا درست ہے۔

قربانی کی کھال : قربانی کرنے والا یا اس کے اہل وعیال کھال کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں، مثلاً جائے نماز، موزہ، مشکیزہ اور دسترخوان بنا کر اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔

کھال کسی امیر شخص کو بھی دینا جائز ہے، البتہ فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، قیمت اپنے استعمال میں لانا یا کسی غنی اور امیر کو دینا جائز نہیں۔

کھال یا اس کی قیمت کسی ملازم کو تنخواہ اور کام کے عوض میں دینا جائز نہیں، جیسے امام، مؤذن اور قصائی کو بحق اجرت کھال دینا درست نہیں، البتہ اگر یہ لوگ مستحق ہوں تو مستحق ہونے کی وجہ سے دینا درست ہے۔

قربانی کے بعد جانور کی رسی وغیرہ کا صدقہ کرنا بہتر ہے ان کا بیچنا یا حق الخدمت کے طورر پر دینا جائز نہیں۔

موجودہ زمانے میں دینی مدارس میں چرمہائے قربانی کا دینا سب سے افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ غریب طلبہ کی امداد بھی ہے اور علم دین کی خدمت بھی۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA

PH:0132-2655542

E-Mail: jamiamazahir@gmail.com